

بجودہ سبحانہ و تعالیٰ حسن توفیقہ کتاب مستطابہ را حوالہ چند پیش غلام و
اولیائے کرام مسمی بہ

تَذْکِرَةُ الصُّلَحَاءِ

فِي بَيْنِ الْأَتْقِيَاءِ

اصل بزبان فارسی

موتف جناب حضرت قدوة المشائخ حضرت خواجہ محمد حسن صاحب
فاروقی مجددی قدس

اور اس کا اردو ترجمہ

حسب رائے

جناب صوفی صاحب صدق و صفا شیخ عبد الرحیم صاحب مکاتیب

درا

مطبع عباسی پریس کراچی ۱۳۷۲ھ ہجری

طبع شد

باعث طبع تراجمہ

اصل کتاب فارسی میں کافی عرصہ سے زیور طبع سے آراستہ ہو چکی تھی لیکن بعض مخلصین جو فارسی سے نابلد ہیں بار بار اصرار کرتے تھے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ شائع ہونا چاہیے تاکہ اردو دان حضرات کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں جناب صوفی صاحب صدق و صفا شیخ عبد الرحیم صاحب کلکتہ والے مبارک ہاؤس کے مستحق ہیں کہ ان کی کوششوں سے یہ ترجمہ ناظرین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ خداوند کریم موصوف کی سعی مشکور فرمائے۔ اور جزائے خیر دے۔ آمین۔

اس سلسلہ میں جناب مفتی صاحب داد صاحب سابق معلم دینیات سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی بھی شکر یہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اصل کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے کی رحمت گوارا فرمائی۔ جزاۃ اللہ احسن الجزاہ۔

ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُقَدِّمہ

از جناب مولوی محمد فاروق صاحب بھرپوری

الحمد لله والمنه والصلوة والسلام على من شرف امته بخير الامة
وعلى الله واوليائه الذين بشروهم بالجنة۔ اما ائمة اصحاب دانش سے یہ بات
مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن مخصوص نعمتوں سے حضرت امام ربانی محبوب سبحانی فرد
بزدانی غوث صمدانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا وہ بے شمار ہیں۔ منجملہ
ان میں سے یہ کہ اولادِ امجاد آنحضرت جو علم و صلاح و تقویٰ میں بطور اسوۂ حسنہ کے تمام عالم
اسلامی کے لئے ستاروں کی طرح رہنمائی کرتی ہے اور تمام عالم ان سے ظاہری و باطنی فیض
حاصل کرتا ہے چنانچہ اکثر کتابوں سے ان کا احوال ظاہر ہوتا ہے اور انہیں میں سے ذات
ہمایونی مصنف تذکرۃ الصالحین فی بیان الاتقیاء بھی ہیں جنہوں نے اپنے آبا و اجداد
سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات کا یہ سلسلہ ورثہ میں پایا ہے۔

حضور کا سلسلہ نسب یہ ہے حضرت امام الوقت شیخ الاسلام خواجہ محمد حسن جان
ابن حضرت سیدنا حاجی عبد الرحمن ابن حضرت سیدنا حاجی شاہ عبد القیوم ابن حضرت سیدنا
محمد فضل اللہ ابن حضرت سیدنا شاہ غلام نبی ابن حضرت سیدنا شاہ غلام حسن ابن حضرت
سیدنا غلام محمد ابن حضرت سیدنا قطب الاقطاب شیخ غلام محمد معصوم لقب بہ معصوم ثانی
ابن حضرت سیدنا مولانا شیخ محمد اسماعیل صاحب ابن حضرت سیدنا شیخ محمد صبغۃ اللہ
ابن حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم ابن حضرت قیوم صمدانی غوث یزدانی امام ربانی
شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

آنحضرت بتاریخ ۱۶ شوال المکرم ۱۲۷۴ھ قندہار میں منصب شہود پر جلوہ گر ہوئے۔
ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ فیوض باطنی سے بھی بہرہ

ہوئے۔ جب افغانستان میں انقلاب رونما ہوا اور وہاں انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو ۱۲۹۶ھ میں تمام اہل و عیال کے ساتھ عربستان کی طرف ہجرت کی۔ جب علاقہ سندھ سے گزر ہوا۔ تو وہاں کے بعض مخلصین صادقین کی استدعا پر قرۃ نگہؑ میں جو مصافحات حیدر آباد سندھ سے ہے توقف فرمایا۔ ان دنوں آپ نے بعض علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت علامہ الحاج الحافظ مولوی نعل محمد المتعوی سے حاصل کئے اور ۱۳۰۰ھ میں مع تمام کنبہ کے حرمین شریفین میں پہنچ گئے اور وہاں کے مشاہیر علماء کرام مثلاً حضرت شیخ نید احمد زینی دحلان و حضرت شیخ رحمت اللہ ہاجر بنہری سے تکمیل علوم خصوصاً استفادہ و استفادہ علم حدیث و اجازتِ رِوَاً صحیح ستہ حاصل کی اور باوجود مواعیاتِ کثیرہ کے شب و روز حصولِ سعادت و کسبِ اِلات میں مصروف رہے اور ان دنوں میں باوجود طرح طرح کے مشاغل کے اپنی عالی ہمتی اور لطیف الہی سے کلام اللہ شریف حفظ کر لیا اور بعد پانچ سال کے اپنے والد ماجد کے ارشاد کے مطابق سندھ میں واپس آئے اور قصبہ مذکور میں سکونت پذیر ہوئے جب ۱۳۱۵ھ میں آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا تو آپ باتفاق اعزہ و علماء مخلصین مسند آراء طریقت ہوئے اور قرۃ نگہ سائیں داد میں ایک مسجد تعمیر کر کے وہاں سکونت اختیار کی اور ۱۳۲۱ھ میں ہرمین کے سفر کا شوق تازہ ہوا اپنے دوستوں اور مخلصوں کے ساتھ حرمین تشریف لے گئے اور ۱۳۲۲ھ میں واپس تشریف لائے چوتھی دفعہ پٹیوں اور اولیا کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے براہِ عراق و بغداد و حج کا سفر اختیار فرمایا اور شام و بیت المقدس کی زیارت سے فیضیاب کر وطن واپس لوٹے۔ اس سفر کے عجیب و غریب حالات اور مشاہدے آپ نے ایک رسالہ میں مفصل تحریر فرمائے ہیں۔

اب آپ کی خانقاہ پر جو فقروں اور نیک لوگوں کی زیارت گاہ ہے، بہت لوگ ٹنڈہ سائیں ولد ڈاکٹرانہ ٹنڈہ محمد خان ضلع حیدر آباد سندھ میں احکام خداوندی کے مطابق کسبِ اِلات اور وظائف و عبادات میں مصروف ہیں۔ خاص کر ان حضرات کا وجود اس لحاظ سے بہت

غیبت ہے کہ مذہبِ باطل کی تردید اور اہل سنت و جماعت کی تائید میں ایک نعمتِ غیر مرتقبہ ہے۔ منع اللہ المسلمین بطول بقائہ و اخاض علیہما من وجودہ کاتہ۔ یہ حضرت اپنی علیہم الفرضی کے باوجود تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں بہت دسترس رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تصانیف زمانہ حاضریہ میں بہت ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب انیس المریدین نامی ہے اس میں تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو ان کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں درج ہیں جو خاص و عام کے لئے بہت نفع مند ہیں۔ دوسری کتاب رسالہ تہلیلہ ہے اس میں کلمہ طیبہ اور اہل سنت و جماعت کے عقائد کا ذکر ہے۔ تیسری کتاب اصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ کے نام سے موسوم ہے یہ کتاب نہایت ہی نفیس ہے اس میں حنفی و دوہابی اور مقلد اور غیر مقلد کے مابہ النزاع مسائل درج ہیں اس میں آپ نے چار مختلف فیہ مسائل کا ذکر کیا ہے اور کتاب السنن اور احادیث و اقوال علماء و صلحا سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اتار ڈالے اور عمدہ فکر اور انصاف کو مد نظر رکھے تو مسئلہ تعظیم بغیر اللہ اور توسل اور استمداد نیک لوگوں سے حاصل کرنا اور غائب کو ندا کرنا اور مردوں کا سننا اور چاروں اماموں کی تقلید صاف صاف روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

یہ رسالہ آپ نے اپنی کوشش سے چھپوا کر مفت تقسیم فرمایا۔ ان کے غیر مطبوعہ رسائل بھی بہت ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ یہ ہے جو طبع ہو کر ناظرین کے ہاتھ میں ہے مسئلہ ۳۷ میں حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر سرہند شریف میں راقم نے بہرامی حاجی حافظ محمد سعید مالک مطبع نظامی کانپور مصنف موسوف کی زیارت کی۔ اور آپ نے یہ رسالہ اور دیگر رسائل بھی طباعت کے لئے مجھے عطا فرمائے سرہند شریف کے عرس کے موقع پر مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنجناب مجددیہ خاندان میں سب سے معمر و تقویٰ و پرہیزگاری کے مجسمہ ہیں۔ خیر الناس من ینفع الناس۔

اس موقع پر آپ نے یہ رسالہ جس میں طرح طرح کے مشاہدات بزرگان کرام اور
عجائبات چشم دید درج ہیں طباعت کے لئے مجھے عطا فرمائی ہیں نے یہ چند کلمات
آپ کے مختصر حالات کے ساتھ بطور تمہید عرض کئے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہمارے
سروں پر دیر تک سلامت رکھے۔

الراقم

محمد فاروق بھٹراچی مدرس مدرسہ جامع العلوم

کانپور

۴ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

مقدمہ ————— انہم مؤلف رسالہ تذکرۃ الصالحین

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ
لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ ط

اے عزیز دوست! علماء کرام نے ولی کی تعریف کئی طریقوں سے ادا فرمائی لیکن
جانب و مانع اور احسن تعریف وہ ہے جو رب العزت نے آیۃ محولہ بالا میں فرمائی یعنی
مؤمن متقی ولی خدا ہے۔ اگر دریافت کریں کہ متقی کون ہے تو کہوں گا کہ متقی وہ ہے جو
قولاً و عملاً و عقیدۃ و سرّاً و علانیۃ شرعی حکم کا عامل اور منوعات شرعی سے بچنے والا ہو۔
اور یہ جو بیخوفتہ نماز میں پڑھا جاتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اس کا مصداق ہو
نیز راجح یہی ہے۔ فَلْتَكُنْ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ مِّنَ الْاُمُورِ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الدَّوٰیْنِ
لَا يَعْلَمُونَ ط

پس میری نصیحت یاد رکھ جو میں نے تجھ کی۔ خدا تیرا حافظ و ناصر ہو۔ اور
بنائے رسالہ تذکرۃ الصالحین اسی اصل پر ہے۔

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفوا۔ اما بعد اس فقیر محمد حسن مجذبی جیسے کم پایہ اور بے کار انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ گذشتہ صالحین اور بزرگان دین کے تفصیلی حالات تو بہت سی کتابوں میں لکھے جا چکے ہیں اس پر اضافہ کرنا نہ فقط مشکل بلکہ تحصیل حاصل ہے لہذا صاحب ارشاد فیض بنیاد "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة" یعنی صالحین کے ذکر خیر سے رحمت الہی جل شانہ کا نزول ہوتا ہے۔ اب ان بزرگان وقت کے ذکر خیر سے برکت حاصل کی جائے جن کے شرف صحبت سے نیاںہ راقم الحروف مشرف ہوا ہے تو امید ہے کہ ان کی برکت سے مجھ پر بھی رحمت الہی جل شانہ کا دروازہ کھل جائے گا۔

اصلی مطلب شروع کرنے سے پہلے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ کا وہ قصیدہ تبرکاً لکھنا موزوں سمجھتا ہوں جو ان کی مشہور کتاب "نغات الانس" کے آخر میں درج ہے

جہذا قومیکہ دید حق بود دیدارشان - محو باشد رشود سرغیب سراسر شان
وہ بہترین قوم جن کا دیکھنا حق کا دیکھنا ہے - اور جو غیبی رازوں کے دیکھنے میں محو ہیں۔
جملہ درکیف فنا درستی خود خفتہ اند - بیک پندارند خواب آلودگان بیدارشان
وہ سب اپنی ہستی کو جیتے جی فنا کر چکے ہیں مگر غافل لوگ ان کو بیدار سمجھتے ہیں۔
گرچہ آن دانند خورشید جلال خود بگل - مشرق و مغرب گرفتہ پر تو انوارشان
اگرچہ وہ اپنے آفتاب وجود کو ایک جگہ پایند سمجھتے ہیں مگر ان کے پر تو سے سارا جہان روشن ہے
از خدا خواہند تہذبات خود در ذات او - این بود ساعت بہ ساعت سر استغفارشان
وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات میں فنا کرنا چاہتے ہیں یہی ان کے گھڑی گھڑی استغفار کرنے کا راز ہے
رختیہ باران عرفان از سحاب کمالت - شستہ نقش حرف غیر از صفحہ پندارشان

ابرحمت سے ہی ان پر عرفان کی بارش ہوئی ہے جو اسواکند کا نقش ان کے دلوں سے دھویا گیا ہے
 ہر ایکے رابا خود از سودا دل بازار ہا ز آتش شوق محبت گرمی بازار شان
 ہر ایک کے دل میں شوق الہی جل شانہ کی آگ بھڑک رہی ہے اور وہ اسی بارونق سودا میں محو ہیں۔
 یکدم از طوف درو دیوار شان منین کہت صدک شائیش از روضہ قسستی از دیوار شان
 ایک کھڑی بھی ان کی آستان بوسی سے غافل نہ رہو کیونکہ ان کے شرف صحبت فیض کے سدھار دوانے کھلتے ہیں
 کار شان جز لفظی ذات و صفی فعل و نعت اے خدا چہ بود کہ جامی را کنی در کار شان
 اپنی ہستی اور ذات پات کو فنا کرنا ہی ان کا مشغلہ ہے یا الہی تیرے فضل سے کیا بعید ہے کہ جامی کو ایسے کام میں لگا دے
 اے رب العزت اگرچہ گنہگار ہوں مگر تیری رحمت کا امیدوار ہوں اور ایک کے دروازے
 سے کوئی محروم نہیں جاتا۔ کیونکہ رحمت بے پایاں کے زیادہ مستحق گنہگار ہی تو ہیں۔
 حضرت علامہ ابوسعید علیہ الرحمۃ نے فقیدہ برہہ میں خوب فرمایا ہے

لعل رحمۃ ربی حین یقسمہا تاقی علی حسب الحصیان فی القسم
 امید ہے کہ میرے پروردگار کی رحمت تقسیم ہوگی۔ تو گناہوں کے انداز پر ہی اس کا حصہ ملے گا۔
 اب میں اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ یہ کہ جن کے شرف صحبت سے مشرف
 ہوا ہوں۔ ایک میرے والد اور مرشد قبلہ قدس سرہ ہیں جن کا مفصل احوال زندگی اور
 ملفوظات و کرامات وغیرہ کو میں نے کتاب "انیس المریدین" میں لکھا ہے جو چھپ کر مشہور
 ہو چکی ہے جس شخص کو دیکھنا مقصود ہو وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کرے۔ اس مختصر رسالہ
 میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان کے مجموعہ اخلاق حمیدی اور منہج اسرار الہی ہونے کا مفصل تذکرہ
 کیا جائے مگر چونکہ اس رسالہ کا مقصد ہی ان بزرگوں کے حالات بیان کرنا ہے لہذا بطریق
 اختصار گویا دریا سے قطرہ اور خروار سے نمونہ لیا جاتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۲۳۷ھ شہر احمد شاہی (قندہار) میں ہوئی
 اور جب سن تمیز کو پہنچے تو علوم مروجہ کو ابتداء سے انتہا تک وہاں کے علماء سے حاصل کیا

۱۲۱
 ایضاً چہ بود کہ جامی را کنی در کار شان

۱۲۲
 حضرت قبلہ علامہ صاحب

اور باطنی کمالات اپنے والد ماجد خلاصہ آل حضرت معصوم علیہ الرحمۃ حضرت شیخ عبدالمجید سرہندی مجددی قدس سرہ سے حاصل کئے۔ ۱۲۷۱ھ میں حضرت والد قدس سو کے انتقال کے بعد مستشار شاد پر جاوہ افروز ہو کر کمال استقامت کے ساتھ طالبانِ حق کو فیض پہنچاتے رہے اور اخلاق محمدی کی خلعت سے سرفراز ہوئے۔ تواضع ہسکینی سہفت شریعت توکل، صبر، رضا، خدمت فقراء، خلق خدا پر رحم فرمانا، تقویٰ، سخا تو آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ انیس المہینہ میں ان کے حبیدہ اخلاق کو جدا گانہ بادل میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۲۹۷ھ میں قندہار سے باعیال و اطفال ہجرت فرما کر بلخ سال حرین شریفین میں رہے نیاز مند مؤلف رسالہ ہزار جس کا تولد ۱۲۷۵ھ شوال کو قندہار میں ہوا، بھی اس مبارک سفر میں حاضر خدمت تھا۔ حرین شریفین سے واپسی کے بعد باقی عمر مکھڑ ضلع حیدرآباد سندھ میں بس فرما کر مخلصین و مریدین سندھ کو فیضیاب فرمایا۔

اگرچہ مالی فتوحات آپ کو کمزرت حاصل تھیں۔ مگر اپنی خوراک اور پوشاک وغیرہ سکنی مکانات میں سادہ اختیار فرماتے تھے اور کمال سادگی کے ساتھ ساری عمر گزاری۔ مریدوں سے نذر نیاز کے ذریعہ جو مالی فتوحات حاصل ہوتی تھیں وہ زیادہ تر حاجتمندوں اور فقراء و مساکین اور قرابت داروں پر خرچ فرماتے تھے اور اس میں مقہور اساحصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ فرماتے تھے۔

دنیاوی سلمان و اسباب جو آپ نے جمع فرمایا تھا وہ صرف کتابیں تھیں تمام علوم سے جس کتاب کا نام سنئے وہ قیمت پر حاصل کرتے یا اس کو نقل کروا کر کتابخانہ میں داخل فرماتے۔ کتابوں کی حفاظت اور مطالعہ کے لئے بہت کوشش فرماتے تھے بلکہ اپنی اولاد اور متعلقین کو بھی یہی نصیحت کرتے کہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ظاہری اعمال اور ریاضات سے باطن کی صفائی میں زیادہ کوشش فرماتے اور اخلاق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیادہ پابندی فرماتے۔ حرین شریفین کا شوق ساری عمر آپ کو دامنگیر تھا۔ چنانچہ سات

مرتہ اس مبارک سفر سے بہرہ ور ہوئے۔ اور ادبیار کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے بھی دور دراز سفر کرتے تھے اور مدت تک مزارات پر اقامت فرماتے۔ اپنی باطنی حالات کو غیروں کی نظر سے چھپانا آپ کا خاص شیوہ تھا۔ کسی مرتد یا مخلص سے روبرو یا کتابت کے ذریعے اپنی توصیف سنتے تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور استغفار پڑھتے۔ بہانوں اور فخر کی خدمت برفض نفیس فرماتے۔ پیادہ پا اور اکیلا جانا یا خاک اور چٹائی پر سونے سے بالکل عار نہ فرماتے اور اپنے کو مسکین ابن المسکین کہا کرتے عوام و خسیں حاجت مند لوگوں کی خدمت ادا کرنے کی بہت کوشش فرماتے الغرض افلق الہی جل شانہ کے پورے پیرو تھے اور اپنے وقت کے لاثانی تھے۔ انوس کہ ایسے شاہانہ گوہر اور مجموعہ اسرار کی قدر کسی نے نہ پہچانی اور اسی طرح اپنے سر بستہ رازوں کے ساتھ انوار الہی میں محویت پا گئے۔ چاشت جمعہ دوم ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ کو بعارضہ بواسیر و اسہالات دنیائے فانی سے انتقال فرما کر حضرت ذوالجلال کی رحمت میں آرام فرما ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک ہتر سالہ عمر کو نہایت نیک نامی کے ساتھ آخر تک پہنچایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ۔

و متہم مولانا شیخ حاجی محمد صدیق صاحب بلوچ مستو لگی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو حاجی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ قدوة العارفين اور زبدة الواصلین تھے۔ اور اس آیرہ شریفہ الکا
 اِنْ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ اِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اِکے
 پورے مصداق تھے۔ آپ اصل میں خراسانی بلوچ قوم سے تھے۔ شہر قندہار (افغانستان) میں
 نشوونما پائی۔ علوم ظاہری اور باطنی بھی وہاں حاصل کئے۔ آپ کی نسبت ارادت جناب حضرت
 ملاولی محمد صاحب توحی افغان قندہاری علیہ الرحمۃ سے ہے جو تاجر عالم اور بے مثل فاضل تھے علم
 تفسیر میں تو خاص طور پر لاثانی تھے اور ہمیشہ قرآن شریف کا ورد با ترجمہ و تفسیر و عطا کے طور پر
 ادا کرتے اور ان کے وعظ پر لوگ اس قدر جمع ہوتے کہ بڑے بڑے ذی قدر لوگوں کو بیچنے کی جگہ
 تک نہ مل سکتی۔ اور حضرت ملاولی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ارادت دو واسلوں سے جناب

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ سے ملتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نسبت اور رفعت منزلت تو اظہر من الشمس ہے۔

الغرض حاجی محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مرشد بزرگوار کے انتقال کے بعد وسط عمر میں قندہار سے قصبہ مستونگ ریاست قلات بلوچستان میں آکر سکونت اختیار فرمائی اور ساری عمر تجرد میں گزاری اور شادی بالکل نہ کی۔ ہمیشہ روزہ رکھتے۔ عبادات الہیہ میں اس قدر تکلیف اٹھاتے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے اور خدا تعالیٰ کی عنایت کے بغیر کسی سے ایسی ریاضت شاقہ ہو بھی نہیں سکتی۔ اگلے بزرگوں کی ریاضات شاقہ کا احوال کتابوں میں پڑھ کر تعجب سے کہنا پڑتا تھا کہ شاید مصنفین نے مبالغہ سے کام لیا ہوگا۔ مگر ہم نے جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو دیکھا تو یقین ہوا کہ مصنفین نے کتب قدیمہ میں ادبِ اکرامِ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ریاضت کے متعلق بالکل ہی حقوڑا لکھا ہے بیشک ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم دیر خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل کا مالک ہے۔

حاجی صاحب دو تین دن روزہ رکھنے کے بعد افطار کے وقت اپنے ہاتھ سے ایک روٹی پکاتے یا بعض اوقات بیماری کے باعث یا تدریس میں مصروف ہونے کے باعث اپنے ایک خاص خادم شیخ سے روٹی پکواتے اور روٹی کا کچھ حصہ پانی میں بھگو کر افطار فرماتے باقی حصہ دوسرے دن کے لئے رکھ لیتے یا کسی محتاج کو دیدیتے۔ مریدوں سے کچھ لینے یا ان کی دعوت کھانے سے سخت نفرت کرتے اگر کبھی کسی مخلص کی دلجوئی کے لئے اس کی دعوت پر حاضر ہوتے تو اسی اپنی پکاٹی ہوئی روٹی سے اس کے دسترخوان پر افطار فرماتے۔ طالب علموں کو درسی کتابیں تمام زحمت سے پڑھاتے۔

آپ کے خاص خادم شیخ سے معلوم ہوا کہ ایک رات مغرب کی نماز کے بعد حضرت حاجی صاحب نے خلاف معمول جلدی سے اپنے جموں میں داخل ہو کر چائے دانی میں پانی گرم کیا

اور ایک مٹھی درمنہ ترکی کے پتوں کی اس میں ڈال کر چائے کی طرح گھونٹ گھونٹ کر کے پینا شروع کیا۔ درمنہ ترکی جس کو شیخ دگومار بھی کہتے ہیں نہایت کڑوا ہے۔ اگر بعد ایک مٹھاں ایک گھڑے پانی میں جوش دیا جائے تو سارے پانی کو زہر جیسا سخت کڑوا کر دیتا ہے آپ گھڑی گھڑی کے بعد تکلیف سے اس کا ایک ایک گھونٹ پیتے ہم نے عرض کی کہ آپ کیوں ایسی تکلیف فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آج مغرب کی نماز میں مجھے چائے پینے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس نفسانی خواہش نے مجھ پر نازاؤا کہ فی تنگ کردی اب میں اپنے نفس کو کہتا ہوں کہ یہ تیری چائے ہے پی مگر وہ پینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آئندہ چائے کی خواہش ظاہر کرنے سے میں نے توبہ کی۔ مجھے چھوڑ دے۔ آخر جتنا پانی سکتے تھے پیا اور اسی پر روزہ رکھ لیا۔

۳۲۲ھ میں ایک موقع پر نیاز مند کا تب الحروف کا مستونگ جانا ہوا۔ شہر کے کنارے پر ایک مخلص کے مکان پر قیام کیا۔ اسی وقت دیکھا تو حضرت حاجی صاحب طالب علموں اور فادموں کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور اپنی ملاقات سے بہت مسرور فرمایا۔ آپ کا حلیہ خریف کالمیت یمشی علی وجہ الاحراض کا مصداق تھا۔ گویا ایک میت نہیں چلتی بلکہ نظر آتی ہے۔ لباس سادہ سوتی، سر پر سادہ سی پگرمی چھوٹا سا قدر مند ہوا ڈاڑھی مبارک سفید، باہر سے مخلوقات کے ساتھ ملا ہوا اور اندر سے حضرت خلاق عالم جل شانہ کے ساتھ مشغول الغرض آپ نہایت تواضع کے ساتھ مل کر بیٹھے بیٹھے اور بہت نرمی کے ساتھ خیریت پرسی فرما کر ملاقات سے مسرور فرمایا۔ ایک گھڑی بیٹھے طبع پر خاموشی غالب تھی۔ دو تین علماء بھی آپ کے ہمراہ تشریف لائے تھے نیاز مند نے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ملک سندھ اور ہند کو دارالحرب کتنا چاہیے یا نہ۔ تو آپ نے اپنے ایک ہمراہی عالم سے پوچھا۔ کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کی کہ میری دانست میں دارالحرب کتنا چاہئے اس پر آپ نے فرمایا ایسا

پھر ایک دوسرا عالم جو آپ کے ہمراہ تھا۔ اس نے عرض کیا کہ جب اسلامی احکام کے ادا کرنے کی آزادی ہے اور اسلامی شعار ثابت ہیں تو ہندوستان کو کیونکر دلاڑیوں کا جال بن سکتا ہے پھر اسے بھی آپ نے نرمی کے ساتھ فرمایا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہوگا۔

بعد میں مسئلہ خراج درمیان میں آیا کہ اگر حاکم وقت کو زمین کی پیداوار سے خراج دیا جائے تو شرعی حق ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ پھر آپ نے حاضرین علماء سے پوچھا اس پر بھی جس سے جو جواب ملا تسلیم فرما کر کہا ایسا ہی ہوگا۔ الطرح اپنی دانش اور علمی کمال کو درمیان سے نکال کر تسلیم فرماتے رہے اس کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔

اس سے دوسری رات قصبہ کے مالدار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو کہ حضرت حاجی صاحب کا مرید تھا مجھے دعوت طعام دی میں نے اس شرط پر اس کی دعوت قبول کی کہ حضرت حاجی صاحب بھی شریک دعوت ہوں۔ چنانچہ اس کے عرض کرنے پر حضرت حاجی صاحب دعوت میں تشریف لے آئے اور اس شخص کے دسترخوان سے میری خاطر کچھ قدر بے روغن چاول تناول فرمائے اگرچہ وہاں دسترخوان پر بہت قسم کے کھانے حاضر تھے مگر آپ نے کسی چیز کی طرف رغبت نہ فرمائی بعد از فراغت دعوت معلوم ہوا کہ وہ بے روغن چاول آپ نے اپنے ہاتھ سے حجرہ میں خود ہی پکا کر دسترخوان پر رکھوا دئے تھے۔

تیسرے دن جب میرا دلچسپی کا ارادہ ہوا تو دو داعی ملاقات کی غرض سے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بہت تواضع اور شفقت سے پیش آئے۔ اُنہوں نے دعا خیر سے ممتاز فرمایا اور دروازے تک رخصت کے لئے آئے یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری آخری ملاقات تھی وہاں کے لوگ نہایت سچے اعتقاد کے ساتھ آپ سے مستفید ہوتے تھے اور حلقہ ارادت میں داخل ہوتے تھے آپ کی بہت سی کرامات اور خرق عادات بیان کرتے ہیں۔ جو اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ آپ کے مناقب اور خوارق عادات کے متعلق ڈاکٹر حاجی عبداللہ خان پنجابی نے جو آپ کے خاص و مفصل میں ہیں

ایک مثنوی لکھی ہے جو چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے مگر جو استقامت آپ کو حاصل تھی اس سے زیادہ اور کونسی کرامت ہوگی بہت بڑی کرامت تو یہی استقامت ہے۔ سکتے ہیں آیا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب مرحوم حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب مجددی رجن کی اس زمانہ میں افغانستان کے اندر بڑی شہرت تھی، کی ملاقات کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے حضرت ابوالخیر صاحب نے آپ کو ملاقات کی اجازت نہ دی۔ آپاپس مستونگ تشریف لے آئے اور پیرزادگی کی وجہ سے ہمیشہ آپ ان کی خدمت میں سالانہ نذرانہ معقول انداز میں بھیج دیا کرتے اور ملاقات کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے ذرہ بھر مکدر خاطر نہ ہوئے۔ اس قصہ کی ذمہ داری رادی کے اوپر ہے۔

آخر عمر میں آپ پر محویت اور استغراق کی حالت بہت غالب تھی بعض اوقات تو تین تین دن تک استغراق رہتا اور اپنی خبر تک آپ کو نہ رہتی ایسی حالت کے ہوتے ہوئے بھی خدائے قدوس کی شان ہے کہ ناز کے وقت پر آپ کو افاقہ حاصل ہو جاتا اور آپ ناز ادا کرتے پھر استغراق کی حالت طاری ہو جاتی ایسے وقت میں بھی سوال و جواب کھانا پینا اور گفتگو کر سکتے مطلب یہ کہ آپ کا وجود مبارک خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا اور حضرت فخر عالم علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التسلیمات و التحیات کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ آپ نے ۱۳۲۷ھ میں انتقال فرمایا اور آپ کو اپنے دائرہ سجد اور خانقاہ واقع مستونگ میں ہمیشہ آرام فرمانے کے لئے سپرد خاک کیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کے بعد آپ کے خلیفہ مولوی فیض اللہ صاحب کو مندرجہ نشین مقرر کیا گیا۔ مسجد شریف اور خانقاہ کی آبادی کا اہتمام خلیفہ صاحب کے حوالے ہوا۔ جو حضرت حاجی صاحب کے مریدوں کو بھی مستفید فرماتے رہے۔ شہر مستونگ تکب سے بڑی آباد اور بارونق جامع مسجد شریف یہی ہے جس کو ۱۹۲۵ء کے زلزلہ کے بعد خان معظم آف قلات نے جدید طرز پر بہت عمدہ تعمیر کرایا ہے۔

وہم حضرت شیخ حاجی غلام نبی صاحب افغان کوہ سلیمان سلسلہ ربہ میں خلیفہ صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مراٹھی افغان قوم سے ہیں۔ انواع صلاح سے آراستہ اور اعلیٰ مراتب صلاح سے پیراستہ ہیں۔ آپ کا اصلی وطن کوہ سلیمان ہے جو دیرہ اسماعیل خان شمال کی طرف واقع ہے۔ آپ کی نسبت ارادت اپنے چچا بزرگوار مولانا شیخ ملا قطار صاحب رحمہ ربہ سے بچہ بچپن میں متیم ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنے چچا بزرگوار کی تربیت میں رہتے سے مسائل سلوک طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہا لہا ملے فرمائے ہیں۔ آپ کے چچا بزرگوار حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے راستین خلفا میں سے تھے اور حضرت حاجی دوست محمد صاحب حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی دہلوی ثم مدنی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب مدوح حضرت شاہ غلام علی صنا نقشبندی دہلوی کے مندرجین تھے پھر باقی سلسلہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خاندان کا تو اظہار من الشہ ہے۔

حضرت حاجی دوست محمد صاحب مذکور اپنے مرشد سے مجاز ہو کر کوہ سلیمان کی حدود میں جو افغانستان کی سرحد ہے مخلوقات کی فیض رسانی میں بڑی ہمت سے مشغول ہوئے ہزاروں افغانوں اور اہل پنجاب کو آپ نے مستفید فرمایا اور بہت سے خلفاء آپ کی توجہ باطنی سے کمال کو پہنچے جن کا تفصیلی ذکر کتاب انوار احمدی میں مصنفہ حضرت شیخ محمد ظہر مجددی مدنی قدس سرہ میں موجود ہے۔

شیخ حاجی غلام نبی صاحب بچپن میں اپنے چچا بزرگوار کی پرورش میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں شام کے ترکوں کو آپ کے عم بزرگوار سے اس لئے بہت عقیدت مندی پیدا ہوئی کہ آپ حضرت مولانا خالد مدنی علیہ الرحمۃ کے پیر بھائی تھے۔ اور حضرت خالد مدنی علیہ الرحمۃ کو دوم و شام میں بڑی خہرت حاصل تھی۔ دوسری دفعہ جب کہ حضرت حاجی غلام نبی صاحب کی عمر تقریباً بیست سال کی تھی اور اپنے عم بزرگوار کی بمکلائی میں

حرمین شریفین پہنچے۔ تو بعد فریضہ حج آپ کے چچا بزرگوار کو قسطنطنیہ کے بعض باشندوں نے قسطنطنیہ تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ دعوت قبول فرما کر باعیاں و اطفال اس طرف روانہ ہوئے کم و بیش چار مہینے وہاں رہ کر حجاز مقدس واپس تشریف لائے اور وہاں سے پھر اپنے ملک پہنچے اور سلسلہ میں انتقال فرمایا اور اپنے براہِ رازہ حضرت حاجی غلام نبی صاحب کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرما گئے۔

خلیفہ صاحب کو ۳۲۲ھ میں باعیاں و اطفال حرمین شریفین کی حیرت کا شوق و انگیز ہو ا مگر گزشتہ جنگ عالمگیر چھڑ جانے کے باعث آپ کو وہاں جانے کی اجازت نہ مل سکی اور وہاں کوئٹہ بلوچستان پہنچے اور بعض ناصر قوم کے مخلصین کی کشش اور کوشش سے وہاں سے قندھار تشریف لے گئے اور ناصر وں کے گاؤں میں ایک سال قیام فرمایا پھر حجاز مقدس جانے کے عزم سے باعیاں کوئٹہ تشریف لائے اور آگے جانے کا امکان نہ دیکھ کر ممبرو وہاں لے گئے وہاں کوئٹہ میں نیاز مند کو ۳۲۵ھ میں آپ سے ملاقات کا موقع ملا کیونکہ آپ کا قیام بھی اسی گاؤں میں ہوا جہاں نیاز مند کوئٹہ کے قریب قریب کلی شاہو میں اکثر گرمی کے ایام میں رہتا ہے۔ ملاقات کے بعد حضرت مدوح کو نیاز مند کے ساتھ ایسا قلبی ارتباط پیدا ہوا جو روزانہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے مجھ جیسے ناکارہ کے پاس تشریف لاتے اور اپنی نیک صحبت سے مجھے ممنون فرماتے۔ آپ کا حسن اخلاق و تواضع و مسکنت و عبادت و استقامت بیان کرنے سے باہر ہے باوجود کثرت عیال اور تکلیفاتِ زمانہ و مشقتِ پرہیزی کے کبھی اشارۃً و کنایتہً بھی اپنے احوال کا اظہار نہ فرمایا۔ بعض بلوچ لوگوں کو آپ سے نیک اعتقاد پیدا ہو گئی تھی اور کچھ قدر خدمت بجالاتے مگر جس قدر آپ کی شان کے مطابق خدمت ہونی چاہئے وہ ہرگز نہ تھی۔

ایک دن آپ نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میرے چچا بزرگوار نے گاؤں سے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر تنہائی میں مراقبہ فرمایا۔ کچھ وقت کے بعد میں بھی ان کے پیچھے

گیا وہاں جا کر دیکھا تو بیابان کے وحشی جانور اور پہاڑ کے پرندے کبک وغیرہ آپ کے گرد گرد جمع ہیں اور اطمینان سے بیٹھے ہیں اور شفقت کی وجہ سے بعض کی پیٹھ پر آپ اپنا ہاتھ پھیر رہے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو سب ہماگ کر چلے گئے پھر آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ خواہ میری حیاتی میں یہ حکایت کسی سے بیان نہ کرنا۔

ایک دن زمانہ سابقہ کی رکت کے متعلق ذکر خیر تو آپ نے فرمایا کہ میرے بچپن کے زمانہ میں حضرت مرشد قبلہ گاہ کی خدمت میں کوئی مہمان آیا اس وقت گھر میں کچھ نقدی موجود نہ تھی جس کے ذریعہ اس کی مہمانی کی جائے آپ نے کسی سے ایک روپیہ قرض لیا اور ایک دن بھر خرید کر کے مہمان کی ضیافت فرمائی کچھ مدت کے بعد قرض خواہ پہنچا مگر اس وقت بھی گھر میں کچھ نقدی موجود نہ تھی آخر ایک روپیہ کے عوض میں گہیوں کا ایک من اسے دے دیا۔

حضرت خلیفہ صاحب قرآن شریف کو تجویزی قواعد کے ساتھ پڑھتے تھے آپ کے صاحبزادوں میں سے دو درمیانی صاحبزادے ایک میاں عبدعلیم صاحب لجر ۱۱ سال دوسرا میاں عبدالحیم لجر ۱۲ سال قرآن شریف کے حافظ ہیں حضرت موصوف کو حرمین شریفین کی سکونت کا شوق اعلیٰ درجہ کا نصیب ہے اور آپ ہمیشہ اسی خوش خیالی میں مستغرق اور مومنظر آتے ہیں اور راستہ کھلنے کے انتظار میں ہیں۔

آپ رات دن عبادات اور اوراد و وظائف میں زندگی بسر فرماتے ہیں آپ کی عمر تقریباً اس وقت ۵۵ سال ہے۔ داڑھی سفید سر منڈھا ہوا قد بلند بدن نحیف ریاضت کے آثار آپ کے چہرے سے ظاہر خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔
 و ہم جناب مولانا شیخ استاذی علامہ صاحب تصانیف مشہورہ جناب حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب دہلوی بہاجر کی رحمہ ربہ ہیں حضرت مولوی صاحب ہندوستان کے مشہور علماء سے تھے ایام غدر دہلی کے زمانہ میں حکومت وقت کے حکم سے ہندوستان سے نکالے گئے تھے آپ نے حرم محترم مکہ مکرمہ کو وطن قرار دیا باقی تمام عمر شریف وہاں بسر فرمائی۔

سنہ ۱۳۵۷ھ میں جب کہ نیاز مند کو حضرت والہامہ جد قدس سرہ کی ہموکانی میں حرمین رضیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ تو حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ نے مجھے کتب درسیہ پڑھنے کے لئے حضرت مولوی صاحب موصوف کے شرف صحبت سے اکثر ایام بہار و اندونیشیا افراد فرمایا۔ آپ نے مکہ مکرمہ کے شبیکہ کے پیچھے مبارک درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی اور محقق مدرسین اس میں مقرر فرمائے تھے اور قاری حفاظ بھی تنخواہ پر مقرر فرمائے تھے جو علم تجوید و قرأت کی تعلیم دیتے تھے۔ چالیس طالب علموں سے زیادہ افراد روزانہ مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے ویسے مکہ معظمہ کے معزز عرب اور ترک اکابر آپ کی خدمت عالی میں جوق در جوق حاضر ہوتے اور نہایت ادب کے ساتھ نیچے بیٹھ کر آپ کی صحبت سے دینی استفادہ حاصل کرتے۔

امتحان کے وقت مدرسہ کے طلبہ اور قاری صاحبان اعلیٰ پیمانہ پر مجلس کا اہتمام کرتے۔ عرب اور ہندوستان کے علمائے اجمع ہوتے اور ایک عجیب نمونہ کے ساتھ امتحان کی مجلس افتتاح کو پہنچاتے۔ مجلس میں چائے نوشی، تہہ نوشی و شیرینی وغیرہ کا انتظام حضرت مولوی صاحب اپنی جیب خاص سے فرماتے۔ اور آپ کے حین اہتمام کی وجہ سے مدرسہ کا انتظام اعلیٰ درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کے مدرسہ کی ترقی کے لئے ہندوستان کے بعض عزیز حضرات خیرات کی صورت میں سال بسال امداد پہنچاتے تھے۔

آپ کی مقررہ مجالس یا مخصوص مجالس میں اگرچہ مغزین وقت موجود ہوتے تھے مگر بغیر مخاطب کے کسی دوسرے کو گفتگو کی طاقت نہ ہوتی تھی اور مخاطب بھی "سلنا" کے لفظ سے لب کشائی کرتا اور ان گفتگو میں اتفاق سے اگر علمی بحث چھڑ جاتی تو حضرت مولیٰ صاحب بحرِ مذاکرہ کی طرح دلائل و براہین کی موجیں مارتے ہوئے نظر آتے۔ اگر عوام سامعین کی استعداد سے تقریر کو بلند محسوس فرماتے تو مقصود کو بالکل آسان اور فصیح لفظوں میں بیان فرما کر ذہن نشین کراتے۔ اس منزلت و رفعت کے ہوتے ہوئے اپنے اوقات نہایت سادہ و عوامی سے بسر فرماتے اور سادہ لباسی اس قدر مٹی کہ اگر سر سے پاؤں تک پوری پوشاک کی قیمت

لگائی جاتی تو مشکل سے دو روپے تک پہنچتی معمولی بافتنی یک تہ لوپی سادہ ململ کی قمیص، گھٹنوں تک پا جامہ بالکل تنگ و کوتاہ ہندی وضع کی پرانی جوتی۔ یہ آپ کا لباس تھا سادہ عصا ہاتھ میں لے کر تنہا گھر سے مدرسہ کو تشریف لاتے اور مدرسہ سے گھر تشریف لے جاتے جمعہ کے دن جب حرم محترم میں تشریف لے جاتے تو کم قیمت کی چھوٹی سی پگڑی سر پر باندھتے اکثر اوقات مدرسہ کے زیریں طبقہ میں طالب علموں کے رنگدہر پر بغیر فرش کے ایک سادہ چارپائی پر بیٹھے رہتے یا لیٹے رہتے ہر ایک طالب علم وہاں سے گزرتا اور دست بوسی کا شرف حاصل کرتا آپ ہر ایک کو تعلیم کی ترغیب دیتے اور دلعزائی خیر سے یاد فرماتے۔

کبھی کبھی حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے "یا سیدی" کا لفظ آپ کا تکیہ کلام تھا کئی دفعہ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ سے مخاطب ہو کر فرماتے یا سیدی آپ اپنے صاحبزادے (یعنی مراد نیا زمند) کو دوسری خدمات سے فارغ فرما کر مدرسہ کے حوالہ فرمادیں تاکہ دل جمعی کے ساتھ علم حاصل کرے مجھے اس کی طبیعت بہت پسند ہے امید ہے کہ جلد ہی مدرسہ کے مروجہ نصاب سے فراغت حاصل کر لے گا۔ حضرت قبلہ گاہ فرماتے کہ ہاں سید کی خدمت کا سارا بار اس پر ہے عزت کے وقت حاضر ہونا رہے گا۔ انوس ایسے وسائل و ذرائع کے ہوتے ہوئے احقر ناقابل رہا۔

ایک دن حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کو حضرت مولینا صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کیا یہ مناسب ہے کہ آپ ہندو سندھ کو واپس تشریف لے جائیں وہاں خدا تعالیٰ کے بندے آپ کے شرف صحبت سے فیضیاب ہونگے اور آپ کے ذریعہ مخلوق خدا تعالیٰ کو ہدایت نصیب ہوگی اگر مجھے اجازت ہوتی تو میں ایک دن بھی یہاں نہ رہتا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ایک پیسے کے چنے اتنے ملتے ہیں کہ انسان کے ایک دن کا قوت ہو سکے اور حجاز میں سخت گرانی ہے آپ کے ساتھ تقریباً چالیس متعلقین ہونگے مبادا معاش کی تگلی باطنی جمعیت میں خلل انداز ہو۔ اور فرمایا کہ یا سیدی مکہ معظمہ کی زمین نجات دہندہ نہیں ہے اگر

زمین نجات بخشے والی ہوتی تو ابولہب کو نجات دیتی۔ بلکہ نیک عمل کے ذریعہ نجات ملتی ہے چاہے وہ کہیں بھی ادا کیا جائے۔

جب حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ کے انتقال کی خبر وہاں پہنچی تو ایک دن مجلس میں حضرت قبلہ گاہ مرحوم سے مخاطب ہو کر فراموش کے ساتھ فرمایا کہ یا سیدی مولوی عبدالحی صاحب مرحوم زکی الطبع طالب علم تھا ہندوستان میں اس کا وجود بہت غنیمت تھا۔ اگرچہ اس میں کچھ نقائص تھے اسی مجلس میں فرمایا کہ علییت میں ان کے والد مولوی عبدالحلیم صاحب مرحوم کا پایہ اس سے بلند تھا مگر مطیع والوں نے ان کے والد کی تصنیفات کو مولوی عبدالحی صاحب کے نام پر چھاپ دیا۔ اس لئے اس کی شہرت والد سے بڑھ گئی ہے۔

حضرت مولوی صاحب کے مقلد تھے اور تقلید مذہبی کو بہت ضروری جانے لگے انہی دنوں میں نماز عصر کے وقت کے متعلق علماء احناف اور شوافع میں جھگڑا پیدا ہوا۔ رئیس العلماء حضرت شیخ سید زینی احمد دحلان علیہ الرحمۃ نے شافعی مذہب کی تائید میں ایک رسالہ تحریر فرمایا اور اس میں یہ بھی ظاہر کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں بھی یہی قول یہ ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے کے بعد عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اس پر دلائل و خواہد پیش کئے اور عمدہ ترین دلیل ان کے پاس کتاب درمختار کی وہ عبارت تھی جس میں شیخین (یعنی امام ابو یوسف اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا مذہب بیان کر کے لکھا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔

اس جھگڑے کی بنیاد اس سے پیدا ہوئی کہ عصر کی نماز پہلے امام حنفی المذہب جماعت کو پڑھا تا تھا اس کے بعد دوسرے مذاہب کے امام جماعت کراتے تھے مگر شریف میں اکثر حنفی بھی بعد اثل مثل پہلے عصر کی نماز جماعت سے پڑھتے تھے مگر بعض متقی حنفیوں نے مکہ شریف والوں کی عادت کے خلاف بعد مثلیں حرم شریف کے ایک گوشہ میں تھوڑی جماعت کے ساتھ عصر پڑھنے شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ جماعت بہت بڑھ گئی۔ اس پر شافعیوں نے موقعاً بارگاہِ امت

سے درخواست کی کہ حنفی اپنے مذہب کی رو سے بعد از مثلین عصر کی ناز پڑھتے ہیں۔ تو ہمیں اجازت دی جائے کہ حنفیوں سے پہلے ایک مثل کے بعد ہم ناز پڑھیں بعد میں حنفیوں کی جماعت ہو جب حکومت نے یہ بات قبول نہ کی۔ تو علامہ سید زبیری احمد دہلوان علیہ الرحمۃ نے جو اس وقت کے رئیس العلماء تھے، مذکورہ رسالہ تصنیف فرمایا کہ اخاف کے مذہب میں بھی مفتی یہ قول یہ ہے کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اگرچہ شوافع کا غالبہ تھا مگر حضرت مولانا صاحب مرحوم نے تقلید کے جوش میں رئیس العلماء کے سالہ کی تردید میں رسالہ عصر پر تصنیف فرما کر اس میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کیا کہ حنفی مذہب میں مختار و معتبر اور محتمل قول یہی ہے کہ مثلین کے بعد عصر کا وقت داخل ہوتا ہے جیسا کہ حنفی مذہب کے معتبر متون اور شروح میں یہ بات مشہور و مختار ہے رسالہ عصر پر شائع ہونے کے بعد شوافع حضرات جواب ہوئے اور حنفی حنفیوں کی بعد از مثلین پڑھنے والی جماعت خامسہ بدستور جاری ہوئی اور حضرت مولانا صاحب کی حیاتی تک چھاری بہتی مگر آئی ان کے انتقال کے بعد۔

آن قدر بل شکست و آں ساقی نماند۔

ایک دن آپ کے مدرسہ میں مولانا حضرت نور صاحب مدرس اول سے نیا دمنہ اپنے ہم سبقوں کے ساتھ مقررہ وقت پر کتاب سراجی کا سبق پڑھ رہا تھا تو اچانک حضرت مولانا صاحب مرحوم اپنی سادہ وضعی کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ علم ترک و فرائض کے پڑھنے اور سمجھنے میں کوشش کرو۔ کیونکہ یہ علم سب سے پہلے دنیا سے اٹھ جائے گا۔

۳۲۰ء میں ایک بڑے مشہور پادری نے دار الحکومت قسطنطنیہ میں پہنچ کر حکومت سے مذہبی مباحثہ کرنے کی درخواست کی اور پادری کو امید تھی کہ علماء ترک و علماء عرب فلسفی علوم میں مہارت نہیں رکھتے اس لئے اسے غلبہ حاصل ہوگا۔ بادشاہ کے وزیروں نے مشورہ کر کے بادشاہ کو عرض کی کہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب ہندی مہاجر کے بغیر یہ ہم سر نہ ہوگی بہتر ہے کہ پادری کو یہاں ٹھہرایا جائے اور مولوی صاحب کو مکہ شریف سے بلایا جائے۔ سلطان

عبدالحمید رفان کو یہ مشورہ پسند آیا اور حکم مکہ کو لکھا کہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب کو اعزاز کے ساتھ استنبول پہنچایا جائے۔ جب شاہی فرمان حکم مکہ کو پہنچا تو فوراً مولوی صاحب کی ہڈاگی کے لئے جہاز وغیرہ کے سفر کا انتظام کیا گیا مولانا صاحب نے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے دو رفیق انتخاب فرمائے ایک صدر مدرس مولانا حضرت نور صاحب جو نیاز مند کے استاذ تھے دوسرے اپنے برادر زادہ مولوی بدرالاسلام صاحب کو ساتھ لیا۔ جب تارکے ذریعے یہ خبر استنبول میں پہنچی کہ مولوی صاحب مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور ایک دن کے اندر استنبول پہنچ جائیں گے۔ جب پادری کو مولوی صاحب موصوف کے آنے کی خبر ملی تو راتوں رات کسی جہاز کے ذریعے بھاگ نکلا اس لئے کہ مولوی صاحب کا پادری مذکور سے پہلے دہلی میں مناظرہ ہو چکا تھا اور پادری مذکور نے سخت شکست کھائی تھی۔ اور اسی پادری کی تردید میں مولوی صاحب مرحوم نے کتاب "لہار الحق" بھی شائع فرمائی تھی۔

حضرت مولوی صاحب کو استنبول پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ پادری مذکور بھاگ گیا ہے۔ اور میدان خالی ہے۔ آخر کار مولوی صاحب نہایت عزت و اکرام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت میں بیس دن تک استنبول میں رہے اور دو تین دفعہ سلطان عبدالحمید رفان سے ملاقات ہوئی۔ سلطان موصوف آپ کی نہایت تعظیم و تکریم فرمائی۔ اور آپ سے استدعا کی۔ کہ استنبول میں اقامت فرمائیں اور شاہی کتب خانہ کا اہتمام فرمادیں۔ مگر مولوی صاحب نے قبول نہ فرمایا۔ اور مجبوراً اپنے بھتیجے مولوی بدرالاسلام صاحب کو اس خدمت پر مقرر فرما کر خود مکہ معظمہ واپس تشریف لائے شاہی تحائف و ہدایا جو آپ نے ساتھ لائے تھے مکہ شریف پہنچتے ہی ان کو فروخت کے لئے بازار بھیج دیا اور جو قیمت وصول ہوئی۔ سب اپنے مدرسے کے خرچ میں دے دی۔ آپ کا علیہ مبارک یہ تھا۔ قدح جو ٹا بدن ضعیف و اڑھی مبارک سفید لکھنی تھی سر تراشا ہوا تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں مگر آخر عمر میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی پھر بھی مدرسہ کی خدمت اور اہتمام فرماتے رہے انہوں نے کہتے تھے کہ میں لا املہ فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہونہم جناب حضرت مولوی عبدالحق صاحب ہندوی مہاجر کی رحمۃ ربہ ہیں۔ آپ فرید عصر یگانہ وقت عابد زاہد متقی تھے اصل میں آپ ہندوستان کے رہنے والے تھے تقریباً پینتالیس سال سے ترک وطن کر کے اشرف البلاد مکہ معظمہ کے امہانی دروازہ (جس کو باب الوداع کہتے ہیں) کے قریب جبل ابو قیس کے پہلو میں سکونت پذیر ہوئے مخلوقات سے قطع تعلق ہو کر گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ ابتداء میں بعض مخصوص طالب علموں کو کتب فقہ و اخلاق و حدیث کا درس دیتے تھے آخر عمر میں صنف کی وجہ سے تدریس نہ کر سکتے تھے۔ در دو وظائف کے پڑھنے میں ہمیشہ مشغول رہتے جتنی مدت مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا بالکل شادی نہ کی اور تجرید میں زندگی بسر کی۔ سلوک باطنی طریقہ نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ اسرار الیہا میں ملے فرمایا تھا اور عمر بزم کی قدر اچھی طرح فرماتے ایک گھڑی بھی بے فائدہ ضائع نہ فرماتے اگر کوئی حاجت مند علمی استفادہ یا فیض باطنی حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتا تو بقدر ضرورت توجہ فرماتے۔ پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔

حافظ حاجی عبداللہ سندھی الکی آپ کے ارشد تلامذہ سے تھے ۱۳۲۸ھ میں جب نیاز مند کو دوسری دفعہ حرمین شریفین کی آستان بوسی کا موقع ملا۔ تو اسی حافظ عبداللہ صاحب کی وساطت سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب علیہ رحمۃ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور بہت محظوظ و ممنون فرمایا۔ نہایت الطاف و عنایات مبذول فرمائے اور میری ملاقات سے کمال خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ سب آپ کا حسن خلق تھا ورنہ میں اپنے کو خود جانا بخار ہوتا۔ اسی سفر میں شیخ محمد مراد منزلوی الکی خلیفہ حضرت شیخ محمد منظر محمدی الفاروقی المدنی ابن حضرت شیخ احمد سعید قدس سرہ سے ملاقات ہوئی اور شیخ محمد مراد مذکور نے اس وقت مکتوبات امام ربانی قدس سرہ کو عربی زبان میں لکھ کر طبع کرایا تھا اور عربی مکتوبات دستیاب کرنے کی غرض سے ہی ان سے ملاقات ہوئی اور دوران ملاقات میں میں نے ان سے پوچھا کہ کسی نیک اور بزرگ ہستی کا پتہ بتائیے تاکہ اس کی زیارت کا شرف حاصل کروں تو انہوں نے

نے حضرت مولوی عبدالحق صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ان احد فہو
ذاک الہندی ولا اعلیٰ غیرہ یعنی اگر کوئی ہے تو یہی ہندی ہے دوسرے مجھے علم نہیں
اور یہ بھی کہا کہ اس ملک میں اس جیسا دوسرے کسی کو نہیں جانتا ہوں۔

آخر عمر میں حضرت مولوی صاحب مرحوم شیخ الدلائل سے مشہور تھے کتاب دلائل الخیرات

حاصل کرتے اور آپ طریقت کا ارخاد نقشہ بندی طریقہ پر فرماتے مگر مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کس بزرگ سے مجانتھے۔ آخری عمر میں گوشہ نشینی اس قدر غالب تھی کہ جمعہ کی نماز کے بغیر حرم شریف میں بھی کلمہ پڑھتے تھے اور جمعہ کے دن باب الوداع سے منقل حرم شریف کے ایک گوشہ میں نماز جمعہ اس طریق پر ادا فرماتے کہ کسی کو ملاقات و گفتگو کا موقع ہی نہ ملتا۔ جب آپ کی عمر نوے سال کے قریب پہنچ چکی تو ۱۳۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ ربہ بخیر و بھلائی ملاقات کے باعث آپ کا حلیہ ذہن میں موجود نہیں۔

وہم جناب شیخ مولانا حبیب الرحمن صاحب مجذوب ہندی بہاجر مجازی ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت موصوف اصل میں ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ واقعہ قدر دہلی کے بعد آپ نے ہجرت فرمائی اور مجدد رہنما پسند کیا۔ جلالیت کا آپ پر غلبہ تھا۔ اوائل میں حرم محترم مدینہ طیبہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات والتحیات نہیں لیت تدریق و تحقیق کے ساتھ تدریس فرماتے تھے اور بے شمار لوگ آپ سے مستفید ہوئے حضرت میاں ابوالخیر صاحب دہلوی مجددی سلمہ نے بھی ان سے علمی استفادہ حاصل فرمایا ہے آخر عمر میں آپ کا مزاج تدریس کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکا۔

جب تک صلح میں نیاز مندی آپ سے ملاقات ہوئی تو ان دنوں میں آپ کبھی مکہ مکرمہ میں قیام فرماتے اور کبھی تنہا یا پیادہ مدینہ منورہ پہنچ کر منزل اعلیٰ ہوتے گو یا حضرت مخدوم عالمی

[illegible]

علیہ الرحمۃ کے مشہور مصرع ۵ گہ بہکہ منزل وگہ در مدینہ جا کم۔

کی عملی تصویر تفسیر تھے۔ عرب کے صحرائنشین لوگ جن کو بدوی کہا جاتا ہے آپ کے بچے معتقد تھے۔ جس گاؤں اور آبادی سے گزر فرماتے بدوی لوگ نہایت عزت کے ساتھ آپ کی منیافت کرتے آپ کبھی اس سے کچھ کھاتے اور کبھی اس کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ جب مدینہ طیبہ پہنچتے تو اکثر باب الرحمۃ اور باب مجیدی کے درمیان مغربی رواق میں بیٹھتے رہتے۔ خاموشی کا آپ پر غلبہ تھا۔ اگر کوئی آشنا آپ کے پاس جاتا تو بقدر ضرورت گفتگو فرماتے۔ مدینہ منورہ میں بھی چند روزہ کبھی غائب ہو جاتے۔ اسی طرح قریباً چالیس سال حرمین شریفین کے درمیان زندگی بسر فرمائی۔ اتنی مدت میں بالکل نہ تو شادی کی اور نہ اپنے لئے رہنے کی کوئی جگہ مقرر کی اگر معتقدین کے ذریعے مالی فتوحات ہوتیں اور تدارک وغیرہ ملتا تو محتاجوں پر خرچ کر دیتے۔ لباس وغیرہ وضع قطع میں بالکل تکلف نہ فرماتے۔ مگر آپ کی صیبت اور رعب اس قدر غالب تھا کہ آپ کے حضور میں کسی کو بات چیت کرنے کی جرات نہ ہو سکتی تھی! الغرض دنیاوی تعلقات سے بالکل بری اور آزاد تھے۔ لوگ آپ کی بہت سی کرامات بیان کرتے تھے مگر چونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں ہے اس لئے ان کی تفصیل میں بڑا نامناسب نہیں ہے۔

آپ کا علیہ خریف :- رنگ گنم گون تھا۔ قد بلند و اڑھی سفید اور چھوٹی تھی۔ بدن معتدل تھا۔ آپ کی تاریخ وفات اور مقبرہ کا مقام معلوم نہیں۔ جلد ربہ و اخاض علیہ السلام۔
وہم جناب مولانا شیخ مولوی عبدالرحمن صاحب سندھی سکھری ہیں رحمہ ربہ ان کے ذکر شریف اور نام نہامی پر بے افشار قلم سے یہ جملے لکھے کہ آپ عالم عامل، ولی کامل، عامل لواشریعت و اصل اعلیٰ مراتب طریقت و حقیقت تھے حضرت مولوی صاحب شہر سکھری کے باشندے ہیں۔ آپ نے علم باطنی اور طریقت کے منازل نیاز مند کے بعد مجد قیوم وقت جناب حضرت شاہ عبدالقیوم صاحب قدس سرہ اور ان کے عم محترم جناب حضرت میان ضیاء الحق صاحب قدس سرہ کے زیر ارشاد طے فرمائے تھے۔ آپ نے اپنی عمر کو عزیز جان لیا۔

عنائے مذہب کیا ہمیشہ خلق خدا تعالیٰ کی خدمت ادا فرماتے۔ طالب علموں کو درس پڑھاتے محتاج اور مسافروں کی زر نقد وغیرہ اخراجات دے کر امداد فرماتے اگر کوئی فیض باطنی حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتا تو کسی علی کاہل کی خدمت میں بھیج دیتے آپ کا وجود مبارک محتاجوں اور مسافروں کے لئے جائے پناہ تھا ہمیشہ آپ کی مسجد خریف میں بخاری افغان، ہندوستانی اور عرب مسافر محتاج بکثرت رہتے آپ بہ نفس نفیس ان کی خوراک و پوشاک کا انتظام فرماتے چونکہ خود سکیں تھے اس لئے مسافروں اور محتاجوں کو اپنے ساتھ لے کر گلی کوچوں میں لوگوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر ان کے لئے خیرات جمع فرماتے جو کچھ ان کی قسمت میں جمع ہوتا ان کے حوالے کر کے نہایت خوشی کے ساتھ ان کو روانہ کرتے پھر دوسرے دن دوسرے مسافروں کے لئے ایسا ہی انتظام کرتے بعض اوقات اگر مسافروں کو آپ کے گھر کی روٹی کفایت نہ کر سکتی تو خود لوگوں کے دروازوں پر حاضر ہو کر مسافروں کے لئے روٹی جمع کرتے اور اس قدر حسن اخلاق اور خندہ پیشانی سے محتاجوں اور مسافروں کی خدمت کرتے جو وہ سمجھتے کہ یہ خاص مہربانی ہمارے ہی ساتھ کی ہے آپ تکلفات سے بالکل بیزار اور سادگی پسند تھے جیسا بھی سادہ کھانا پالتے کھا لیتے اور جیسا بھی سادہ کپڑا مل جاتا پہن لیتے۔

غیر مسلموں سے جو کوئی اسلام قبول کرنے کی غرض سے مولوی صاحب کی مسجد میں حاضر ہوتا تو مولوی صاحب اسے اسلام کی حقیقتیں تعلیم فرما کر خوشی سے اس کی تمام خدمات کا ذمہ اپنے اوپر لیتے۔ اگر ہندوؤں کی طرف سے مقدمہ بازی ہوتی تو مولوی صاحب نہایت نجاشی سے حکام وقت اور مقدمہ کی تکلیفات برداشت کرتے اور پوری بہت سے کامیابی حاصل فرماتے اور نو مسلموں کو ہندوؤں کی ایذا رسانی و شرارت سے نجات دلا کر انہیں رخصت فرماتے بہت سے لوگ آپ کی برکت اور بہت سے اسلام میں داخل ہو کر آسودہ حالی کو پہنچے مشہور شیخ شرف الدین و شیخ عبدالرحیم امرتسری شیخ عبدالرزاق و شیخ محمد صالح وغیرہ بہت سے نو مسلم آپ ہی کے دست پر درود میں اور آپ ہی کی صحبت کی برکت سے شرک سے ہائی

عبدی مصلحت
شیخ نور محمد عبدالسلام
تخلص کر کے لکھتے ہیں۔

پائی اور آپ ہی کی بہت اور برکت سے تکلیفاتِ زمانہ بے آواز ہو کر نہایت آسودہ حالی کو پہنچے ہیں۔

آپ جب میرے والد ماجد قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کے شکار پور سندھ میں تشریف لے کر سفر
سختے تو فوراً حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بڑی اچھی صحبت رہتی۔ حضرت قبلہ گاہ
قدس سرہ کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی اور پس غائبانہ آپ کی بہت توصیف و تعریف بیان فرماتے
الغرض حضرت مولوی صاحب اپنے وقت میں اس حدیث شریف کے پورے مصداق تھے
خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ دہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

ایک دن نیاز منکات الحروف شکار پور سے ریل گاڑی میں سوار ہوا۔ تو ناگاہ حضرت
مولوی عبدالرحمن صاحب بھی اگر سوار ہوئے ملاقات اور غیریت پر سی کے بعد اسی وقت کسی شخص
نے انگوڑوں کا ٹوکڑہ حاضر کیا۔ میں نے دہ ٹوکڑا مولوی صاحب کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ اس سے
کچھ تناول فرماویں۔ مولوی صاحب نے فراغت سے خاطر خواہ طور پر اس قدر تناول فرمایا کہ مجھے
آپ کلبے تکلف کھانا بہت پسند آیا۔ کھانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ آج پیٹ بھر کر انگوڑ
کھائے ہیں۔ میں نے مذاقاً کہا کہ آپ نے اس طرح کبھی انگوڑ نہیں کھائے تو آپ نے فرمایا۔ ایسی
فراغت سے کھانا کہاں نصیب ہوتا ہے۔ تو نیچے، پوتے اور نواسے میرے ہاتھوں سے چھین
لے جاتے ہیں اور پس کھا نہیں سکتا۔

نقل ہے کہ ایک دن کوئی پولیس والہ دعا طلبی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو
آپ نے اسے نصیحت فرمائی کہ مخلوق خدا تعالیٰ پر ظلم نہ کرنا اسی موقع پر ایک حکایت بیان فرمائی
کہ کسی شخص کو بچھو کی ضرورت ہوئی جتنی کوشش کی بچھو نہ مل سکا کسی خدا پرست بزرگ کو حقیقت
معلوم ہوئی تو اسے کہلا بھیجا کہ اگر تجھے بچھوؤں کی ضرورت ہے تو کسی پولیس والے کی قبر کو کھود اس
میں بہت بچھو ملیں گے۔ آخر اس بزرگ کے کہنے پر اس شخص نے ایک پولیس والے کی قبر کھولی جو
قوی وقت میں دھن کیا گیا تھا۔ دیکھا تو بے شمار بچھو اس کے بدن کو چٹے ہوئے ہیں جس قدر
اس کو ضرورت تھی وہاں سے لے لئے۔ اور قبر کو پھر برابر کر دیا۔

حضرت مولوی صاحب کی اولاد، اور پوتے و نواسے و متعلقین وغیرہ بہت ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالکریم صاحب علمی اور عملی بیعت سے متصف و ممتاز ہیں۔ آپ کے بشیر و زادہ مولوی عطا اللہ صاحب نہایت پرہیزگار اور متقی ہیں۔ اَللّٰہُ تَعَالٰی نَبَاتًا حَسَنًا۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ میانہ قد۔ رنگ گندم گون۔ کشادہ پیشانی۔ ولاحی مبارک گھنی اور لمبی ہتی جس نے سارے سینہ کو بھر لیا تھا۔ ہیندی کا خضاب لگاتے تھے بہت عمر بانی تھی۔ میں انتقال فرما کر مخلوق کو حضرت خلاق عالم جل شانہ کے حوالہ فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاٰجِعُوْنَ ط۔

وہ نہم جناب حضرت مخدوم مجذوب محمد صاحب علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ بڑے جید علماء اور نامدار صلحا میں سے تھے۔ آپ کو مجذوبی کے آثار و بچپن سے لاحق تھے۔ آخر عمر میں زیادہ غلبہ پا گئے تھے آپ کی سکونت سندھ کے مشہور شہر سیون میں تھی چونکہ آپ حضرت شیخ مخدوم عثمان علیہ الرحمۃ (جو محل شہباز قلندر کے نام سے مشہور ہیں) کے پڑوس میں رہتے تھے اس لئے اپنے آپ کو قلندری کہتے تھے۔

نیاز مند کی ملاقات آپ سے ۱۲۷۱ھ سے لے کر ۱۲۸۱ھ تک کئی بار ہوئی۔ آپ سے صاحب سوز و گداز تھے۔ بعض اوقات مستی و محویت کی حالت میں آپ سے کلمات اور خوارق عادات کا ظہور ہوتا تھا۔ وہاں کے لوگ آپ کے بہت معتقد تھے۔

۱۲۸۱ھ میں جب کہ نیاز مند کا تب الحروف کے والد ماجد قباجاہ علیہ الرحمۃ کا قیام بہت مدت تک فکار پور سندھ میں رہا جس کی توفیل طوائف طلب ہے اور یہ نیاز مند بھی حضرت والد ماجد قدس سرہ کی خدمت میں تھا تو ان دنوں میں سید میان غلام شاہ مرحوم سکنت نزد محمد خان اور حافظ محمد حریری و قاضی محمد یعقوب سکنت شٹہ سائیں داد حضرت والد صاحب قدس سرہ کی قدم پوسی کے لئے شٹہ محمد خان سے روانہ ہو کر فکار پور آنے لگے۔ راستہ میں حضرت محل شہباز قلندر

مخدوم مجذوب محمد صاحب

سجوالی

قدس سرہ کے مزار کی آستان بستی کے لئے سیون میں منزل کر کے مزار شریف کی زیارت کے بعد حضرت مخدوم محمد صاحب کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا تو آپ کے مکان کا پتہ پوچھتے ہوئے آپ کی مسجد میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ مخدوم صاحب دریا کی طرف گئے ہوئے ہیں کیونکہ آپ کی عادت تھی روزانہ دریا میں جا کر غسل فرماتے۔ کچھ وقت پانی میں بیٹھتے یا دریا میں تیرتے پھر واپس تشریف لاتے۔ سید غلام شاہ مخدوم نے بیان کیا کہ ہم آپ کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہے ایک ساعت کے بعد دیکھا تو مخدوم صاحب تشریف لائے۔ سر اور پاؤں ننگے ہیں۔ فقط ایک قمیض پہنی ہوئی تھی۔ جس سے ستر عورت کیا ہوا تھا۔ ایک کالی چادر جو ننگ باندھنے کے لئے لے گئے تھے وہ کندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ مسجد میں جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں وہاں گھرے ہو کر کہنے لگے "جس طرف رخ کرتا ہوں ادھر تو ہی ہے۔ اللہ اکبر کہتے ہی ننازیں شروع ہو گئے ایک رکعت پوری کر کے سلام پھیرا۔ اس کے بعد مسجد شریف کے اندر داخل ہوئے۔ ہم نے دست کی کی اور آپ نے خیریت پرسی کی اور ہر ایک کا نام و نشان دریافت کیا اور سفر کا سبب دریافت کیا۔ ہم نے کہا کہ حضرت صاحب کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: حضرت صاحب کہاں ہیں ہم نے کہا شکار پور میں ہیں آپ نے فرمایا: ہلے ہلے۔ یہ لفظ آپ کا کلیہ کلام تھا گفتگو میں اکثر ٹھائے ٹھائے کتے پھرتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت صاحب کو میری طرف سے سلام پہنچا کر یہ شعر کہنا۔

سرور باغ یکپائے ستاوت مگر برکاب تو دو دو گر بودش پائے دگر

پھر فرمایا تم جانتے ہو دو سر پاؤں کیا ہے ہم نے کہا نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا وہ پاؤں پیسہ یا زر ہے اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا پھر فرمایا کہ میری طرف سے تحفہ پہنچانا۔ ہم نے کہا دیکھئے پہنچا دیں گے گھر تشریف لے گئے اور دو سوک لائے اور فرمایا کہ یہ میرا تحفہ حضور میں پیش کرنا جب یہ تینوں صاحبان شکار پور پہنچے اور حضرت والدہ قدس سرہ کی خدمت میں تحفہ پیش کر کے سلام و بیت عرض کیا تو حضرت والدہ صاحب

قبلہ علیہ الرحمۃ بہت خوش ہوئے اور حضرت مخدوم صاحب کی بڑی توصیف بیان فرمائی۔
 نقل ہے کہ ایک دن سیون میں حضرت مخدوم صاحب اپنی عادت کے مطابق دھوا
 پر غل کرنے کے لئے گئے اور جذب کی حالت میں اپنے کو دریا کے حوالے کر دیا۔ اور کوٹری بند
 سے آکر باہر نکلے جو سیون سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اتفاقاً بار بار اونٹوں کی قطار
 وہاں سے گزر رہی تھی تو مخدوم صاحب اپنی مجذوبی حالت میں بالکل برہنہ دیا سے نکلا نکلتے
 ہی اونٹوں کی قطار کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہتے جاتے تھے۔ وَ اِلٰی اللّٰہِ بِہِ کَیْفَ خُلِقْتُ
 یعنی اونٹ کی طرف عبرت سے دیکھو کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے
 آپ کو بچا نا اور کپڑے اوڑھا کر اپنے پاس لے گئے اور پھر آپ کو سیون پہنچا دیا۔

ایک دن نیاز مند کاتب الحروف سید غلام شاہ مذکور اور دوسرے چند رفقا کے ساتھ
 میاں خیر الدین سیدوانی کی دعوت پر سیون پہنچے اور میاں خیر الدین کے گھر میں قیام کیا سید
 غلام شاہ مذکور کسی کام کے لئے بازار گئے اور واپسی پر حضرت مخدوم صاحب سے ملاقات ہوئی
 جو دریا سے غسل کر کے تشریف لارہے تھے خیریت پرسی کے بعد مخدوم صاحب نے درخت
 فرمایا کہ کس غرض سے یہاں آنا ہوا تو سید صاحب نے میرا نام لے کر کہا کہ ان کی ہجرانی میں
 آیا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ فلاں صاحب سیون آئے ہیں اس نے کہا ہاں تشریف لائے
 ہیں تو آپ نے فرمایا چائے چائے اب میرے ساتھ چل اور میرا تحفہ ان کو پہنچا سید مذکور
 کو گھر کی طرف لے گئے اور آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ سید صاحب کو دروازہ پر پھیرایا
 شاہ صاحب نے بیان کیا کہ میں نے باہر سے سنا کہ آپ نے اہل خانہ کو اسلام علیکم کہہ کر
 فرمایا کہ فلاں حضرت تشریف لائے ہیں۔ میری مسواکوں سے دو مسواک مجھے دیدو تاکہ
 انہیں بھیج دوں۔ پھر آپ نے دو مسواکیں لا کر شاہ صاحب کو دیں نیز فرمایا کہ میں خود بھی چلتا ہوں
 دیکھا تو شاہ صاحب حضرت مخدوم صاحب کے ساتھ وارہوئے ہم سب آپ کے احترام
 میں کھڑے ہوئے اور مصافحہ کے بعد میں نے مخلصوں کو کسی خاص فرش بچانے کے لئے کہا۔

اور آپ سے عرض کیا کہ اس پر تشریف رکھئے: آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور عام فرش پر سامنے بیٹھ گئے۔ چونکہ خیر الدین مذکور مرض فالج میں مبتلا تھا لہذا میں نے مخدوم سے عرض کیا۔ کہ خیر الدین کے لئے کوئی نسخہ تجویز فرمادیں آپ نے قلم و دوات مانگی اور نسخہ نہایت عمدہ تحریر فرمایا میں نے مریض کو کما کہ اس نسخہ کو تبرک کے طور پر استعمال کرا مید ہے کہ شفا ہوگی۔ آپ ایک ساعت بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے۔

۱۵ سالہ میں جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کا انتقال ہوا تو حضرت مخدوم صاحب چپلم کے موقعہ پر فاتحہ خوانی کی غرض سے قصبہ مکھڑ ضلع حیدر آباد سندھ میں ہمارے ہاں تشریف لائے کیونکہ حضرت قبلہ مرحوم کی سکونت اسی قصبہ میں تھی۔ آپ نے چار دن رات تک ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ اس دفعہ کی ملاقات میں عجیب و غریب قصے بیان فرمائے ایک جو مجھے یاد ہے۔ درج ذیل ہے:-

آپ نے فرمایا۔ ایک دن حرمین شریفین کی زیارت کا خوق دل پر غالب ہوا۔ گھر سے نکلا۔ سفر خرچ کے لئے میری جیب میں فقط دو پیسے تھے۔ آخر منزل بمثل کراچی پہنچا۔ اس جگہ مالی فتوحات حاصل ہوئیں۔ جہاز کا خرچ میسر ہوا۔ بمبئی روانہ ہوا۔ بمبئی میں پھر فتوحات حاصل ہوئیں۔ جہاز کا خرچ میسر ہوا، جبہ روانہ ہوا۔ دریائی سفر کے دوران میں سخت ہینٹاک طوفان آیا۔ لوگ گریہ و زاری میں مشغول ہوئے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد بعض کشتی والے میرے پاس دعا طلبی کے لئے حاضر ہوئے میں نے حزب البحر پڑھا طوفان سے آرام نصیب ہوا۔ الغرض مکہ محکمہ پہنچا وہاں جذب و دلولہ اور غریبائے شوق مجھ سے بے اختیار ریکرت سرزد ہونے لگے۔ ارکان حج کی ادائی کے بعد مدینہ منظرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب حرم محترم خرام رحمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا تو دل میں سوچا کہ اس جگہ جس طرح ہو سکے اپنے آپ کو مضبوط میں رکھوں۔ کیونکہ یہ ادب کی جگہ ہے اور اس شعبہ آخری مصرع پڑھا ہے

ہر صبح ہاشمی باش اما اندکے بیدار باش با خدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہشیار باش

آخر زیارت شریف حاصل کرنے کے بعد پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا اور حرم محترم کی زاد ہا اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً میں پھر حیدر کا غلبہ ہوا۔ اور اختیار سے باہر ہو گیا۔ جو کچھ کہا کہا اور جو کچھ کیا کیا پھر وطن کو واپس ہوا۔

جن دنوں حضرت مخدوم صاحب حضرت والدہ ماجدہ قدس سرہ کی چہلم کے موقع پر نیاز مند کے ہاں تشریف رکھتے تھے تو ان دنوں میں نیاز مند روزانہ ظہر کے بعد حضرت والدہ محترمہ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے جاتا تھا۔ جو قصبہ ٹکڑ سے دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے ایک دن مزار شریف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ دیکھا تو ایک سبز چادر قبر پوش کے طور پر کسی نے مرقہ مبارک پر چڑھائی ہے۔ وہاں کے لوگوں سے میں نے پوچھا کہ یہ قبر پوش کس نے چڑھایا ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب تشریف لائے تھے قبر شریف کے مقابل ہو کر بہت گفتگو فرماتے رہے جیسا کوئی زندہ سے گفتگو کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ چادر ڈال کر چلے گئے۔ جب نیاز مند گھر واپس آیا اور مخدوم صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ آپ نے حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کے مرقہ مبارک پر قبر پوش چڑھایا ہے۔ حالانکہ اہل علم اس میں اختلاف رکھتے ہیں اور منع کرتے ہیں اگرچہ اہل سنت و ادراہل ہند کا عمل اس پر ہے کہ اولیاء کرام قدس اسرار رحم کے مزارات پر قیمتی قبر پوش چڑھاتے ہیں۔ تو آپ نے جواب میں یہ حدیث بیان فرمائی "ما ملک الله حسنًا فهو عند الله حسن" جس چیز کو نیکو کار مسلمان اچھا جانتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے۔

حضرت مخدوم صاحب کی حکایات تفصیل کے ساتھ لکھی جا ہیں تو بہت طوالت ہو جائے گی اس لئے اختصار کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مرحوم سکھری جکا ذکر پہلے ہو چکا ہے آپ کے تلامذہ میں سے تھے جب ان کی آپس میں ملاقات ہوتی تو حضرت مولوی صاحب استاذی کی وجہ سے آپ کی بڑی تعظیم اور تکیہ فرماتے کسی منزل پر

اکٹھے رہنے کا اتفاق ہوتا تو مولانا صاحب ادب سے چار بائی پر نہ سوتے۔ زمین پر بستر بچھا کر آرام فرماتے۔

حضرت مخدوم صاحب محاورہ گفتگو میں پروردگار جل شانہ کے نام کی تعمیرِ دُبت کے لفظ سے ظاہر فرماتے۔ ادب کے لحاظ سے ذاتی نام بہ گزرنہ لینے، اگر کوئی شخص عام گفتگو میں پروردگار جل شانہ کا ذاتی نام زبان پر لاتا تو اس سے ناراض ہو کر کہتے کہ جب عورت اپنے خاوند کا نام نہیں لیتی اور بیٹا باپ کا نام اور شاگرد استاد کا نام نہیں لیتا تو تم کیوں اپنے پروردگار کا نام لیتے ہو سچ ہے۔ مَنْ خَدَّ مَرَدٍ مَنْ أَدَبَ جِسْنِ لَمْ يَخْدَمْہُ کی دہ مخدومی کو پہنچا اور جس نے بڑوں کا ادب کیا لوگوں نے اس کا ادب کیا۔

حضرت مخدوم صاحب کی عمر طویل تھی تقریباً ۹۰ سال سے زیادہ کو پہنچی تھی۔ ۱۳۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ ربہ۔

آپ کا علیہ مبارک یہ تھا۔ قد بلند، پیٹھ خمدار، داڑھی مبارک لمبی اور بکھری ہوئی تھی۔ داڑھی اور سر پر حنا لگاتے ناک بلند، آخری عمر میں منہ و انتہوں کی تکلیف سے صاف ہو چکا تھا۔ دانت نہ ہونے کے باعث آپ کی گفتگو کم سمجھنے میں آتی تھی۔ آپ اکثر برہنہ سر رہتے۔ ایک سیاہ نیلی چادر کندھوں پر ہوتی۔ اور ایک چادر نہ بند کے طور پر استعمال فرماتے۔

۹؎ و تم خاں حضرت ملا عزت اللہ صاحب افغان رحمہ ربہ ہیں آپ علاقہ ننگر مار توابع جلال آباد افغانستان کے باشندے تھے ۱۲۸۵ھ میں حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ کی وفات میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے پہنچے اس سے دو سال پہلے حضرت والدہ رحمہ عیال و اطفال کو حرمین شریفین لے گئے تھے اور حرم مکہ مکرمہ کے پڑوس میں سکونت پذیر تھے۔ ایک سال رہ کر میرے چچو نے بھائی صاحبزادہ محمد حسین جان صاحب اور میرے چچو بھی زادہ بھائی حضرت عبد القدوس صاحب وغیرہ دو تین خادموں کے ساتھ سندھ تخریف لے گئے تھے اور مجھے مکہ معظمہ زاد اللہ تعالیٰ خفا و تعلیم میں عیال و اطفال کی خدمت کے لئے چھوڑ گئے تھے

اور ایک سال کے بعد یعنی ۳۰۰ عین واپس حرمین شریفین تشریف لائے اور حضرت ملا عزت اللہ صاحب کو اپنی رفاقت میں لے گئے تھے۔ حضرت ملا عزت اللہ صاحب مسکین و دنیاوی تعلقات سے آزاد اور متوکل شخص تھے۔ آپ کی خوراک وغیرہ کی خدمت حضرت والد صاحب قدس سرہ فرماتے تھے۔ مکہ شریف میں پہنچنے کے بعد جب گرمی کا موسم آیا تو حضرت والد صاحب مرحوم عیال و اطفال کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے اور ملا عزت اللہ صاحب کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اڑھائی مہینے وہاں قیام فرمایا حضرت ملا عزت اللہ صاحب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد شریف میں سکونت پذیر ہوئے۔ رات و دن عبادت میں مشغول رہتے ایک گھڑی بھی آرام نہ فرماتے آپ صائم البر اور قائم اللیل تھے پیرانہ سالی اور طبعی ضعف کے ہوتے ہوئے اس قدر عبادت کی سخت تکالیف اٹھانا بغیر الطاف ربانی جل شانہ کے انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہر وقت گریہ میں رہتے خصوصاً نمازیں اس قدر روتے کہ لوگ آپ کے سوز و گداز اور آنسوؤں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ جس وقت بھی آپ سے ملاقات ہوتی آپ کی آنکھیں گریہ سے تر نظر آتیں کبھی بھی آپ کی آنکھ خشک نظر نہ آئی۔ بھوک و فخر و فاقہ اور مسکینی پر اس قدر صابر و شاکر تھے جو حد تحریر سے باہر ہے۔ افطار کے وقت جب آپ کے پاس ہم کھانے جاتے تو ہماری خاطر مختصر چند تھے کھاتے باقی سب واپس کر دیتے۔

حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ نے آپ کی حکایت بیان فرمائی کہ جب کراچی سے کشتی کے ذریعہ بمبئی کو جانے کی تیاری ہوئی تو اس وقت حسب معمول سرکاری حکم ملا کہ کراچی اور بمبئی کے درمیان چلنے والی کشتیوں میں تیس سے زیادہ آدمی سوار نہ کئے جائیں۔ جب ہماری سواری والی کشتی میں ملارج نے تیس آدمی پورے شمار کر کے سوار کئے تو بعد میں حضرت ملا عزت اللہ صاحب پہنچے ہم نے ملارج کو کہا کہ یہ ایک نیک اور صالح شخص ہے اس کو بھی کشتی میں بٹھالے۔ ملارج نے کہا کہ مجھے کوئی انکار نہیں مگر افسر وقت نے تیس آدمیوں کے

نام لکھ کر دئے ہیں اور روانگی کے وقت وہ خود اکرام بیکار گنتا ہے ہم نے کہا تو اس کو بٹھالے خدا تعالیٰ رحیم ہے اس کے لئے کوئی سبب پیدا فرمائے گا۔ ملاح بیچا ہے نے اسے کشتی میں بٹھا دیا۔ روانگی کے وقت فرنگی افسر دتین سپاہیوں کے ساتھ آیا اور کشتی کے ایک ایک کئے می کو شمار کر کے تیس آدمی پرے گئے اور ملا عزت اللہ صاحب کو نیچے اتر جانے کا حکم دیا۔ اور ملاح کو ڈانٹا ہوا ملاح افسر کشتی سے اترنے لگا۔ قضا الہی سے اس کا پاؤں پھسل گیا اور پانی میں غوطے کھانا ہوا ڈوبنے لگا۔ اور اس کی کشتی نما ٹوپی رہیٹ پانی میں تیرتی پھرتی تھی آخر ملاحوں نے بہر ہزار مشکل اس افسر کو پانی سے نکالا اور مقامی ملازمین اسے اٹھا کر لے گئے۔ ملا عزت اللہ صاحب با عزت کشتی میں بیٹھے رہے اور خیریت سے بسبی پہنچ گئے۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کے متعلق دوسری حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک دن ہوا بند ہو جانے کے باعث کشتی رات کے وقت سمندر کی تہ میں کھڑی ہو گئی اور کنارے کا پتہ بھی نہیں تھا۔ اسی رات چاند کی روشنی تھی دیکھا تو ملا عزت اللہ صاحب اپنے سات اٹھا کر کشتی کے کنارے پر پہنچے اور سمندریں اترنے کا اراد کیا۔ ہم نے جلدی سے منع کیا کہ کہاں جاتے ہیں تو کہنے لگے کہ صاحبزادہ محمد صلح جان نے بتایا ہے کہ کنارہ آگیا اس لئے نیچاڑنے کا خیال ہے ہم نے کہا کہ صاحبزادہ آپ سے خوش طبعی کرتے ہیں۔ یہاں کنارہ اور زمین کہاں؟ آپ نے کہا کہ میں نے سمجھا کہ کنارہ پر پہنچ گئے ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت ملا عزت اللہ صاحب طائف میں دو مہینے رہے۔ جب حج کا وقت قریب آیا تو آپ پر حرم بیت اللہ شریف کا شوق غالب آیا۔ اور حضرت والد صاحب مرحوم سے التماس کی کہ مجھے رخصت دیجئے تاکہ اپنے کو حرم مکہ مکرمہ تک پہنچاؤں۔ حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم نے فرمایا کہ اکٹھے جائیں گے مگر آپ کو آرام دہین نہ آیا۔ دو تین مسکین آدمیوں کے ہمراہ کٹر پہاڑ کے راستے روانہ ہوئے۔ جب حج کے زمانہ میں ہم مکہ معظمہ پہنچے اور آپ کے رفیقوں سے آپ کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کٹر پہاڑ کی پہلی منزل پر حرم محترم پہنچنے سے

پہلے آپ نے وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ یہ واقعہ سلسلہ میں پیش آیا۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ دائرہ مبارک سفید تھی قدر میانہ تھا۔ پیٹھ ٹیڑھی سر تراشا ہوا۔ بھارت کم زور آنکھیں گریہ سے تر رھتیں۔ عبادت اور ریاضت کے انوار آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ۔

و منہم جناب حضرت شیخ محمد تکروری مکی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ نواح مصر کے باشندے تکروری قوم سے تھے تکروری قوم کے اکثر لوگ حج کے موسم میں لطیف تجربہ مکہ معظمہ میں آتے ہیں مکہ مکرمہ میں ان کو نفیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں یہ لوگ رنگ کے سیاہ ہوتے ہیں اکثر بابر داری کا کام کرتے ہیں حضرت شیخ موصوف سے میرا تعارف سلسلہ میں حرم مکہ معظمہ میں ہوا زیادہ تر آدھی رات کے بعد صبح تک طواف میں مشغول رہتے کبھی کبھی طواف میں اگر ملاقات کا موقع ملتا تو سورہ یسین آپ سے سننے میں آتی۔ عبادت میں بہت فرائض تھے۔ اور اس میں استاذوق و شوق تھا کہ اکثر شلخ وقت میں اس کا عشر غنیمت بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے موفق تھے۔ رات کو اتنی عبادت فرماتے اور دن کو بابر داری کا کام کرتے نہایت فقر و فاقہ میں گزارتے لوگوں سے بالکل کم بات چیت کرتے یاد الہی جل شانہ میں مشغول رہتے اور ذرہ بھر غفلت کو آپ کے سینہ مبارک میں گنجائش نہ تھی۔ اگر کوئی شخص اعتقاد اور نیاز سے پیش آتا تو اس کی صحبت سے بھاگ جاتے۔ اسی سال سفوحین شریفین میں حاجی عبداللہ خان تونخی حاکم بلخ رفیق سفر تھے اور خدا شناس و خدا طلب لوگوں کے طالب تھے مجھ سے موقع پر ایسے لوگوں کا چہرہ پوچھتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد تکروری کے متعلق کہا گیا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کی طرف سے توفیق یافتہ ہے۔ آدھی رات کے بعد طواف میں آپ کو بل جائے گا۔ ان کی صحبت نہایت غنیمت ہے۔ خان مذکور نے آپ کا چہرہ بآکر آپ سے تعارف پیدا کیا۔ اور آپ کے ساتھ اچھا اعتقاد رکھنے لگا۔ بس آپ نے اس بات کا اثر معلوم کرتے ہی خان مذکور کی صحبت کو بالکل ترک کر دیا۔

حضرت شیخ محمد تکروری

طواف کے وقت اور دعا کے مستجاب و مقبول ہونے کی جگہوں پر ملتزم تحت الکرسی اور کن بیانی وغیرہ پر نہایت سوز و گداز کے ساتھ دعائیں مانگتے تھے اور بعض اوقات بالکل عجیب و غریب قصے بیان فرماتے تھے افسوس کہ تحریر کے وقت وہ ذہن میں حاضر نہیں رہے جیسا کہ آپ اپنے کو محبوب و مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے حالات بھی مخفی رہ گئے۔ ایام حج کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے پھر ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر مانتا ہے کہ وہ اب تک قید حیات میں ہیں یا ربانی پا گئے۔ بہر حال جدھر بھی ہوں حق تعالیٰ کی عنایات شامل حال ہوں اور ان پیائے بندوں کی برکت سے خدا تعالیٰ مجھ جیسے ضعیف مشفق پاک پر رحم فرما دے۔

وہم جناب مولانا شیخ حاجی سید محمد عثمان شاد سندھی میرپوری علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ بخاری سادات سے ہیں آپ کے آباؤ ارام ہندوستان سے سندھ تشریف لاکر میرپور خاص کے قریب سکونت پذیر ہوئے تھے آپ نے میرے والد ماجد قبلہ قدس سرہ سے طریقت کی تلقین حاصل فرمائی تھی اور کمال استقامت کے ساتھ وظائف بندگی میں مشغول رہتے تھے قرآن شریف کی تجوید دائرہ شریف متصل اذیروہ لعل کے سادات کرام سے حاصل فرمائی تھی اور چند سندھی کتابیں خصوصاً کتاب احکام فقہ مصنفہ سید علی محمد شاہ صاحب دائرہ والد علماء چوتیاری سے بر زبان یاد فرمائی تھی علم قلیل کو عمل کثیر کے ساتھ ملا کر مقامات ممبر و رضا و توکل و تبشیل و حسن خلق میں کمال حاصل کیا تھا۔ آپ کا مہ تقویٰ کے مصداق تھے۔ روزانہ وظائف و لائل الخیرات وغیرہ اس قدر پڑھتے کہ بغیر توفیق ربانی سرانجام پانا غیر ممکن ہے تمام عمر سفر و حضر میں وظائف ترک نہ فرماتے تھے۔ اگر کسی وقت مجھے علاقہ نارہ سندھ کا سفر پیش آتا تو اکثر آپ رفاقت فرماتے اور اپنی نیک صحبت سے مسرور فرماتے۔

سندھ میں کسی غیر قوم سے آپ نے شادی کی تھی حق تعالیٰ نے اس پارسابی نبی سے آپ کو سات لڑکے عطا فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک مجذوب تھا۔ آپ کو اس سے بہت محبت

تھی۔ زمانہ کے لوگوں سے آپ کو تکلیفیں پہنچتیں تو سب فرماتے اور نیکی سے انہیں یاد فرماتے۔ ان تکلیفوں میں سے ایک یہ بھی درپیش آئی کہ ایک شخص پنجاب سے آیا۔ اور صالحین کے لباس میں اپنے کو سید ظاہر کر کے آپ کی دختر معصومہ سے شادی کی چند مدت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص شریوں کے گروہ میں سے تھا۔ اور اس سے آپ کو سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں۔ آپ کمال درجہ کے زاہد و پرہیزگار تھے۔ زمانہ کے مصائب پر صابر و شاکر رہتے۔ لوگوں سے گفتگو بہت کم فرماتے آپ کی عادت تھی کہ رسمی مجلس اور گفتگو کے بعد اٹھ کر مسجد یا کسی مکان کے گوشہ میں بیٹھ کر اپنے وظائف میں مشغول ہوتے۔

نیا دمسند کے ساتھ بہت ارتباط فرماتے تھے اور اپنے خاص حالات بیان کرتے تھے۔ تھوڑی سی زرعی زمین آپ کی ملکیت میں تھی۔ اس کو چرخ خی پانی کے ذریعہ آباد کر کے عیال کے خرچ میں لاتے۔ بعض اوقات مالی فتوحات حاصل ہوتیں یا بعض مخلصین آپ کو دعوت کر کے اپنے ہاں لے جاتے، وہاں سے جو کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا عیال و اطفال کے خرچ میں لاتے آپ نے مسکینی کی حالت میں عمر عزیز بسر فرمائی۔ آخر عمر میں اہل خانہ کی ناسازی کے باعث آپ کو دوسری شادی کا شوق پیدا ہوا اور شہرہ کے لئے میرے پاس پہنچے اتفاقاً انہی دنوں میں مجھے کراچی کا سفر درپیش آیا۔ اور آپ نے سن رکھا تھا کہ کراچی میں بعض شریف بلوچ ایسے ہیں جو شادی کے رابطہ کے لائق ہیں۔ اسی ارادہ کے ساتھ آپ خوشی سے رفیق ہوئے اور کراچی میں بعض جگہوں سے آپ کے مقصد کا پتہ چلا۔ مگر تقدیراً شدید بیماری کی وجہ سے آپ بیمار ہو گئے اور واپس نیا دمسند کے ساتھ حیدر آباد پہنچے کسی کام کی وجہ سے کچھ وقت مجھے حیدر آباد رہنا پڑا۔ اور آپ بیماری کے باعث رخصت یاب ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے جو میرے لیے خاص سے قریب تھا گھر پہنچتے ہی چار باغ دن میں عالم فانی کو وداع کہتے ہوئے عالم قدس کی طرف سدھائے انا للہ وانا الیہ راجعون یہ واقعہ ۱۲۵۵ھ میں وقوع پذیر ہوا اور آپ اسی جگہ مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتاً واسعۃً۔

وہمہم غلص ہولنا شیخ آخوند سپینہ سندھی بختیار پوری رحمہ اللہ ہیں جو آخوند سچل کے نام سے مشہور تھے آپ بختیار پور کے آخوندوں میں سے تھے۔ بختیار پور قصبہ ہے جو اب تحصیل اب تحصیل سیون ضلع دادو سندھ میں واقع ہے۔ آپ کی نسبت ارادت نیاز مند کے جد امجد خلاصہ آل معصوم حضرت شیخ عبدالقیوم صاحب قدس سرہ سے تھی اور اس بحرِ فکار سے فیضیاب تھے بہت مدت اپنے مرشد کی خدمت اقدس میں رہ کر طریقت کی منزلوں کو آخر تک پہنچایا تھا۔ ادا اہل عمر میں کچھ مدت سرکارِ وقت کی ملازمت میں تحصیلدار کے عہدہ پر شہر دادو میں رہے اور زمانہ کے ذی جاہ لوگوں میں سے تھے۔

بعد میں جب حضرت صمدیت جل شانہ کی درگاہ کی طرف رجوع فرمایا اور توفیقِ امانت نصیب ہوئی تو اپنے مرشد صاحب قبلہ کی صحبت و برکت سے دنیا و مافیہا سے اس قدر متفر ہو گئے کہ آپ کے حضور میں زیادہ تر کوئی دنیاوی بات چیت نہ کر سکتا تھا۔ اوکلی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع فرما کر تمام مال و اسباب کو ترک کر دیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی عبادت اور مرشد کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے تین بھائی تھے آخوند میاں امید علی و آخوند خدا بخش و آخوند دوست محمد یہ سب دنیاوی کاموں میں مشغول تھے۔ ان سب کو اپنے مرشد صاحب قبلہ کے حضور میں لاکر رعیت کر کے امور آخرت کی طرف رجوع کرایا۔ اور آپ آخر عمر تک کامل استقامت کے ساتھ مسکینی حالت میں رہے۔

جب ۱۲۹۹ھ میں نیاز مند کے حضرت والد ماجد قبلہ علیہ الرحمۃ قندھار سے سندھ کے سفر تشریف لائے تو نیاز مند غلام کاتب الحروف کو بھی جو بارہ سال کی عمر میں تھا اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس سفر میں آخوند صاحب مذکور اکثر آپ کے ہمکاب رہے اور با پیادہ منازل سفر طے فرماتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اکثر اوقات حضرت والد صاحب قدس سرہ پیرانہ سالی کا خیال فرما کر آخوند صاحب کو سوار ہونے کے لئے امر فرماتے مگر آخوند صاحب نہایت تواضع اور ادب سے ہزار حیلوں کے ساتھ معافی طلب فرماتے اور حضرت والد ماجد

قبلہ قدس سرہ کی سواری کے آگے پاپیادہ چلتے۔ زیادہ تر گریہ کی حالت میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے۔ اکثر اوقات منزل پر صاحب دعوت سے مذبحہ بکری کا بازو لے کر قبلہ گاہم حرم کے لئے اپنے نمونہ کے مطابق کباب تیار کرتے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف کو اس قدر کثرت سے مطالعہ فرماتے تھے کہ گویا مکتوبات کے حافظ تھے۔ اگر کوئی شخص مکتوبات کا کوئی فقرہ زبان پر لاتا تو بروقت فرماتے کہ یہ فقرہ فلان مکتوب اور فلان دفتر میں ہے۔ الحمد للہ کا مبارک لفظ ہر وقت آپ کی زبان پر جاری تھا۔ گفتگو میں آپ کا تکیہ کلام یہی لفظ تھا۔ چنانچہ بعض لوگ آپ کو آخوند الحمد للہ کہتے تھے۔ اور آپ کی پہچان کا یہ خاص نشان تھا۔

حضرت میاں عبدالقدوس صاحب مجددی جو نیا زمند کاتب الحروف کے پھوپھی زلو بھائی تھے آپ کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ ایک دن علاقہ سیون میں سفر کے دوران میں وہ اونٹ جس پر میں سوار تھا ایک جگہ گرا اور میری پنٹلی پر سخت چوٹ آئی جس سے میں بیہوش ہو گیا۔ کچھ وقت کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو ہر ایک رفیق ہمدردی کے باعث خیریت پرسی کرنے لگا۔ آخوند میاں سچید صاحب نے بھی جو رفیق سفر تھے خیریت پرسی فرمائی میں نے جواب دیا کہ میرے پاؤں کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور بہت درد ہے۔ آخوند صاحب نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔ الحمد للہ۔ مجھے ان کے بے محل الحمد للہ کہنے سے عین درد کی حالت میں ایسی بے اختیار سہسی آئی کہ اسی وقت درد فراموش ہو گیا۔

آپ آخر عمر میں سلسل البول کے مرض میں مبتلا تھے۔ اور کمال پرہیزگاری کے باعث کپڑے کی چھوٹی سی تھیلیاں بنا کر ان کو صاف مٹی سے بھر کر باری باری کمر سے باندھتے تاکہ پیشاب کے قطرے بدن یا کپڑے کو پلید نہ کریں۔ پھر ان تھیلیوں کو باری باری سے صاف کر کے دھوئے۔ اس بارے میں آپ سخت تکلیف اٹھاتے۔ عبادات و نوافل اور ذکر قلبی وغیرہ مراقبات میں نہایت شوق سے مشغول رہتے اور اپنا عزیز وقت بالکل ضائع

نہ فرماتے۔ امر محروف اور نہ ہی منکر میں بلا تماشاً مشغول رہتے اور کسی کی پروا نہ کرتے۔ اس لئے کم دیانت اور بدعتی لوگ خوف سے آپ کی مجلس میں اکثر حاضر نہ ہوتے تھے۔ مسکین اور ضعیف البدن ہوتے ہوئے بھی آپ اس قدر بارعب و باہمت تھے کہ مجبوراً اہل دولت کو بھی آپ کے حضور میں گفتگو کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور آپ کی طبع پر فاموشی اور گریہ غالب تھا۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۳۰۹ھ یا ۱۳۱۰ھ میں آخوند صاحب مرحوم اور میں حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم کی خدمت شکار پور کی منزل پر حاضر تھے اور حضرت قبلہ گاہ مرحوم نے رجب ۱۳۰۵ھ سے لے کر (جب کہ حرمین شریفین سے باعیاں و اطفال واپس تشریف لا کر مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کے آخر تک) امامت کا کام میرے سپرد فرمایا تھا لیکن میں شکار پور میں فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے اول رکعت میں سورہ مزمل اور دوسری میں سورہ نوح سہا پڑھ گیا۔ اگرچہ حضرت قبلہ گاہ قدس سرہ اور بہت سے دوسرے لوگ جماعت میں حاضر تھے۔ لیکن بعد فراغت نماز آخوند صاحب مذکور نے فراغت کے وقت نہایت ادب سے مجھے کہا کہ آئندہ ایسا نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ سورتوں کو نماز کے اندر ترتیب وار پڑھنا مسنون ہے اور آج آپ نے سورتوں کو آگے پیچھے کر کے پڑھا ہے اس دن سے تلاوت قرآن شریف کے وقت جب اس مقام پر پہنچتا ہوں۔ تو آخوند صاحب کی وصیت یاد آتی ہے چنانچہ اسی وقت آپ کی ررح مبارک کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

آپ ۱۳۱۰ھ میں قصبہ ٹکھڑ ضلع حیدرآباد سندھ میں حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم کی خدمت میں بہت مدت تک حاضر رہے۔ آپ سید غلام نبی شاہ مرحوم کے مہمان خانہ میں رہتے تھے کیونکہ اس وقت یہ مہمان خانہ حضرت والد ماجد قدس سرہ کے مہمانوں کی تحویل میں رہتا تھا وہاں سے آخوند صاحب پانچویں دقت اس مسجد میں نماز باجماعت کے لئے حاضر ہوتے۔ جہاں حضرت والد ماجد قبلہ مرحوم نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک دن نیا وضو بنا کر مسجد کی طرف تشریف

لارہے تھے تو راستہ میں ایک سینگوں والے بڑے دنبے نے آپ کو ٹکرا کر زمین پر گرادیا۔ جس کے باعث آپ کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آخر لوگوں کی مدد سے مہمان خانے تک پہنچے اور روزانہ حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرہم لپی کر کے ٹانگ کو درست کرتا۔ مدت تک درد کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ اگر کوئی آپ سے خیریت پرسی کرتا تو لفظ الحمد للہ کے سوا دوسرا کچھ نہ فرماتے چونکہ پیرنی کی وجہ سے بڑی بہت مدت کے بعد درست ہوئی آپ کے بھائی شفا بابی کے بعد اپنے گھر لے گئے اور ۱۲ سالہ میں اپنے قصبہ بختیار پور میں انتقال فرما کر رحمت الہی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

آپ کا علیہ مبارک یہ ہے۔ کوتاہ قد رنگ سیاہی مائل داغھی مبارک گھنی ہر اکٹھے حصہ پر بال نہیں تھے۔ ہاتھوں اور پیروں پختگی کے نشان اور کالے نقطے ظہر تھے۔ پیشانی پر سجدہ کا نشان بھی نمایاں تھا۔ دنیا سے غافل اور خدا تعالیٰ کے ساتھ شغل تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتاً واسعة۔

دہم جناب مولینا شیخ حاجی محمد اسماعیل خان نظامانی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ حاجی محمد شمس صاحب کے فرزند اور روشن عارف سماں احمد خان نظامانی علیہ الرحمۃ کے فرزند تھے۔ آپ کی سکونت نم کے گاؤں میں تھی جو ٹنڈہ محمد خان ضلع حیدر آباد سندھ کے نواح میں ہے۔ آپ کے جد امجد مخدوم محمد ابراہیم صاحب تنویری علیہ الرحمۃ کے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ کا نسب نظامانی قبیلہ سے ہے اور نظامانی سندھی بلوچوں کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ آپ پین پچیس سے مجذوبی کے آثار پائے جاتے تھے۔ آپ سے نیاز منکاتب الحروف کی پہلی ملاقات ۱۳۵۷ھ میں ہوئی جب کہ راقم حضرت والدہ ماجدہ علیہ الرحمۃ کی بہکابی میں قندھار سے سندھ کو آیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی بے تکلفانہ گفتگو فرماتے تھے۔ زمانہ کے رسم و رواج سے زیادہ تلبے خبر تھے۔ اور نفس انارہ کے کمر و فریب سے رہائی یافتہ تھے۔ عیالات اور وظائف میں مہمانہ روی رکھتے تھے۔ مگر باطن کی صفائی اور دلی رازوں کے معلوم کرنے میں

آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ اگرچہ ظاہری علم میں چنداں مہارت نہ تھی۔ مگر باطنی علوم سے بھرپور تھے۔
 ۱۲۹۷ء میں جب کہ حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم عیال و اطفال سمیت افغانستان سے ہجرت کر کے حرمین شریفین میں سکونت کے ارادہ سے سندھ میں وارد ہوئے۔ اور کچھ وقت قصبہ ٹکڑ میں قیام فرمایا تو میاں اسماعیل خان مذکور آپ کا سن کر ٹکڑ میں حاضر خدمت ہوئے ایک ضعیف گھوڑی اور نجف خادم آپ کے ساتھ تھا۔ درویشانہ پرانا سادہ لباس رکھتے تھے اس وقت حضرت والد صاحب مرحوم کے مہمانوں کے لئے سید غلام نبی شاہ کا مہمان خانہ جو جون والا کے کنارے پراونچائی میں واقع تھا، وقف تھا۔ اور مہمان خانہ کی چھت کے نیچے سواری کے جانور باندھے جاتے تھے۔ میاں اسماعیل خان مرحوم نے گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ میں اپنے سونے کے لئے جگہ مقرر فرمائی بہرچند آپ کو کہا گیا کہ مہمان خانہ کے بلانی حصہ میں آپ آرام فرمائیں مگر قبول نہ کیا۔ گرمی کے موسم میں وہاں جنوبی ہوا زور سے چلتی تھی۔ مٹی اور گرد و غیرہ نکلے پاک اور ناپاک آپ پر پڑتے رہتے اور آپ بالکل فرحت کے ساتھ وہاں بیٹھے رہتے۔ آپ سرانگی زبان میں گفتگو فرماتے تھے جو سندھی بلوچوں میں معمول و مروج ہے۔ آپ نے جتنا وقت وہاں قیام فرمایا اسی جگہ میں رہے حضرت والد ماجد صاحب قبلہ قدس سرہ آپ کی بڑی خاطر و مدارات فرماتے۔ خاص طور پر آپ کی طرف متوجہ ہو کر علحدہ ان کے ساتھ جا بیٹھتے اور انس فرماتے۔

اسی زمانہ میں حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی منزل آپ کے گاؤں نعم میں ہوئی اور نہ لازمہ کاتب الحروف بھی خدمت میں حاضر تھا۔ حاجی میاں اسماعیل خان مرحوم خدمت دعوت کی بجائے ادبی کے بعد حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کو دعا طلبی کے لئے اپنے گھر لے گئے اور پس بھی حاضر تھا۔ وہاں آپ نے حضرت قبلہ گاہ مرحوم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! دعا کیجئے۔ کہ حق تعالیٰ مجھے فرزند عطا فرمائے حضرت قبلہ گاہ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا۔ کہ فرزند تیرے کس کام آئے گا۔ تیری عمر ستر سال سے زیادہ کو پہنچ چکی ہے۔ اب فرزند تیری کیا خدمت کر سکیگا آپ نے کہا کہ حضرت! میں فرزند اس لئے چاہتا ہوں کہ حضرت امام مہدی کے لشکر میں داخل ہو

حضرت والد صاحب قبلہ نے آپ کے لئے دعا فرمائی حضرت خلاق عالم جل شانہ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا۔ اور اس کا نام محمد پرل رکھا جو تادم تحریر تالیف رسالہ ہزار ۱۳۲۷ھ تک زندہ اور صاحب اولاد ہے۔ اس حکایت بیان کرنیے مقصود یہ ہے کہ آپ کو حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ زیادہ تر آپ کی زبان پر انہی کے نام کا ورو رہتا۔ اور ہمیشہ کہتے کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ حضرت امام مہدی کو دیکھوں اور ان کے لشکر میں داخل ہو جاؤں۔ گویا آپ مہدوی الشرب تھے۔

آپ کے متعلق نیاز مند نے ایک شخص سے سنا کہ وہ کئی دفعہ دعا طلبی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ہر دفعہ اُس سے پوچھے بغیر آپ نے اس کے مقصد کو زبان پر لائے ہوئے دعا فرمائی۔

چونکہ آپ کے ذکر میں آپ کے دادا عارف با شہ حاجی احمد خان نظامانی علیہ الرحمۃ کا ذکر بھی ضمیمہ کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق جو حکایت میں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے اس کا بیان مناسب نظر آیا۔ فان الکلام ینجر الی الکلام یعنی ایک کلام سے دوسری کلام پیڑماتی ہے۔ وہ حکایت یہ ہے کہ حاجی احمد خان مرحوم کے مرشد مخدوم محمد ابراہیم صاحب نقشبوی علیہ الرحمۃ کے زلمے میں اس بات کا چرچا و غلغلہ ہوا کہ شکار پور سندھ میں ایک شخص صاحب کرامت اور خوارق عادات پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام شیخ حاجی فقیر اللہ صاحب علیہ الرحمۃ ہے۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنے خاص خلیفہ حاجی احمد خان مذکور کو کہا کہ شکار پور جا کر ذمہ قلبی اور باطنی طور سے اس شخص کا حال معلوم کر کے مجھے اطلاع دے اگر فی الواقع صاحب استقامت اور عارف باشد ہے۔ تو میں خود آکر شرف زیارت حاصل کروں۔ حاجی احمد خان مذکور اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق منزلیں طے کرتے ہوئے شکار پور پہنچے۔ اور بزرگ موصوف کے مکان کا چہرہ پوچھ کر وہاں حاضر ہوئے۔ دیکھا تو لوگوں کا ہجوم اور غلغلہ اس سے بڑھ چڑھ کر ہے جو انہوں نے سنا تھا۔ آہستگی کے ساتھ بزرگ موصوف کی مجلس کے ایک کو دین بیٹھ کر

مراقبہ میں مشغول ہوئے اور کتنا ہی متوجہ ہوئے مگر مکاشفہ میں تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔
جیران ہوئے پھر دوبارہ متوجہ ہوئے وہی تاریکی دیکھنے میں آئی۔ تیسری دفعہ متوجہ ہوئے۔
پھر وہی دیکھا۔ آخر ناامید ہو کر اپنے پیر صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ کے حکم
کے مطابق شکار پر ہی بزرگ کے حال پر توجہ کی گئی۔ تاریکی کے بغیر کچھ نظر نہ آیا اور آخر میں خواجہ
حافظ شمس الدین شیرازی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر لکھا ہے

دریچ کس نشانے زان و نشان ندیم یاسن خبر ندارم یا ادا اثر ندارد

آخر میں معلوم کیا کہ بزرگ مذکور کو علم جفر میں بڑی مہارت ہے اس کی وجہ سے یہ کرتے
دکھانا ہے مگر صحیح علم خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔

حاجی اسماعیل خان میانہ قدح تھے۔ وارثی گھنی۔ جیرو سفید۔ آنکھیں فرارخ تھیں آپ
ستر سال سے زیادہ عمر پا کر رحمت حق سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ اپنے
دادا مرحوم کے قریب قریب نم میں مدفون ہوئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

دہم جناب شیخ درس میاں محمد ہاشم صاحب سندھی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ کی سگڑ
موضع کلاری میں تھی جو تحصیل ٹنڈہ محمد خان ضلع حیدر آباد سندھ میں واقع ہے۔ آپ کا نسب
راج شاہی بولدہ درس مصری۔ آپ صاحب استقامت و ریاضت تھے۔ عبادات الہیہ
میں بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ ادب و باش لوگ آپ کو بہت ستاتے مگر آپ نہایت صبر و
سکوت کے ساتھ ان کی اذیتیں برداشت فرماتے۔ دراصل خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض
اولیاء اللہ کے واسطے یہ ایک قسم کا امتحان تھا ہے۔

آپ کو حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم سے کمال محبت تھی۔ آپ شیخ احمد محمد کے
مزارات واقعہ کنارہ کوہ گنجہ (جو قصبہ ٹکڑہ سے شمالی جانب دو میل کے فاصلے پر واقع ہے) چلے
کشی فرماتے تھے چونکہ حضرت قبلہ گاہ مرحوم کا مزار بھی اسی جگہ میں ہے لہذا ایک دن نیاز مند
کاتب الحروف حضرت والد ماجد قدس سرہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہو کر شیخ احمد محمد

عہ میں سب
جگہوں سے من
ہے کہ کچھ کا
شی جہت نہیں
ہے علامہ میں صحت
حاجی فیض شمس الدین
کی نسبتاً چھٹا حکم
جسٹری وری کی کتاب
اعلیٰ شہرت ہے۔
شرح غنی نہ

امام شیخ درس میاں محمد ہاشم صاحب

کے مقبرہ سے گزرا تو وہاں ایک پرانی منہدم شدہ مسجد کے کونے میں ایک شخص محض مراقبہ میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔ میں نے کہا کوئی مسافر یا پرستوں کے گروہ سے اس تنہائی میں بیٹھا ہوا ہے میں نے زیارت حاصل کرنے کے خیال سے حاضر ہو کر سلام کیا۔ تو آپ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ درس میاں محمد ہاشم صاحب ہیں۔ مگر اس وقت ایسے مغلوب الحال تھے جو کسی کو نہ پہچانتے تھے۔ آخر کچھ وقت کے بعد اپنے حال میں آئے اور مجھے پہچان کر التفات فرمایا۔ میں ایک گھڑی بیٹھ کر آپ سے رخصت ہوا۔ آپ لغویہ حلال کے لئے بہت احتیاط فرماتے۔ ادائل عمر میں اپنی ہی کھیتی باڑی سے اپنا خرچ حاصل کرتے۔ اس کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر آپ کو اس میں کچھ شبہ نظر آیا۔ اس کو ترک کر کے جھاڑ بھونک و تعویذات وغیرہ کی حاصلات و فتوحات پر گزارہ کرتے۔ کچھ مدت کے بعد اس کو بھی چھوڑ کر تندرادی اور طبابت شروع کی اور بعض لوگوں کا علاج کرتے اور اس سے اپنا خرچ پیدا کرتے۔

حضرت قبلہ گاہ مرحوم کے آخری مرض میں حکمائے وقت کے بہت علاج کئے گئے مگر چونکہ تقدیر موافق نہ تھی تدبیر سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ اسی اثنا میں درس میاں محمد ہاشم صاحب بھی آپ کی خدمت میں پہنچے اور علاج کے لئے عرض کیا۔ اس پر عمل کرنے سے جب کچھ فائدہ نظر آیا۔ تو آپ نے کمال ضعف کی حالت میں دوسرے دن فرمایا کہ سب قرابادینیات کی کتابیں چھوٹی نکلیں اور درس میاں محمد ہاشم سچا نکلا اس قصہ کو میں نے کتاب انیس المریدین میں مفصل لکھا ہے جو کہ حضرت والد صاحب مرحوم کی سوانح عمری کے متعلق لکھی گئی ہے چونکہ درس میاں محمد ہاشم صاحب کے ذکر میں درس کا لفظ بار بار آیا ہے اور جو لوگ اہل سندہ کی اصطلاح سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو اس لفظ کے سمجھنے میں دقت ہوگی۔ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ اہل سندہ کی اصطلاح میں درس کا لفظ بزرگ یا بزرگ زادہ کے معنی میں متعل ہوتا ہے۔

آپ کا طبع مبارک و قدرتناہ تھا۔ ضعیف البدن تھے۔ وارثی کم بختی سفید چہرہ۔ آنکھیں

فرخ تھیں سرمنڈا ہوا۔ افسوس کہ ۱۳۲۰ھ میں آپ جیسے دریگانہ زمانہ کی جیب سے خاک میں جا کر غفی ہو گئے۔ آپ اپنے اجداد و کرام کے مقبرہ واقع دامن کوہ گنجہ کے گنج میں جا ملے۔
رحمة الله عليه رحمة واسعة۔

وہم جناب مولانا شیخ سید محمد اسلم شاہ افغان رحمہ ربہ ہیں۔ آپ پشتنگی ساداتوں میں سے تھے۔ اور شیخ ملا روح اللہ افغان تیرہویں پشتنگی کے مرید تھے اور شیخ ملا روح اللہ صاحب مرحوم حضرت ملا محمد عینی کدنی والدہ رحمہ ربہ کے مرید تھے۔ اور وہ حضرت ملا نور محمد قندہاری منارہ والد علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور وہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہ کے مرید تھے۔ آپ کے مرشدی سلسلہ کی حقیقت جو مجھے معلوم ہوئی ہے وہ یہی ہے اور بہترین علم حق سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے۔

سید محمد اسلم شاہ صاحب مرحوم صاحب عرفان و سلوک تھے اور نہایت متقی عابد تھے۔ ابتداء میں پشتنگی سیدوں کے دستور کے مطابق تجارت کے ذریعہ گزر اوقات کرتے تھے۔ بعد میں جب حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب ہوئی۔ تو تجارت وغیرہ کو ترک کر کے عبادت النبی جل شانہ میں مشغول ہوئے اور اکثر عمر میں روضہ یار منسلح حیدر آباد مندرم میں اگر گزارا بہر نیاز مند سے خاص محبت و اتحاد رکھتے تھے۔ اور بسا اوقات تو حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی قصبہ ٹکڑ میں تشریف لاتے تھے۔ اور ان دنوں میں نیاز مند کی سکونت بھی وہاں تھی۔ چند وقت ہمارے ہاں قیام فرما کر چلے جاتے اور جاتے وقت سوکھی ردی کے ٹکڑے اپنے ساتھ لے جاتے اور مدت تک ان کو پانی میں بھگو کر روزہ افطار فرماتے رہتے اور بعض اوقات علاقہ ڈھورو نارہ منسلح تھریار کر سندھ کی طرف تشریف لے جاتے۔ وہاں کے مخلصین سے جو فتوحات حاصل ہوتیں ایک سال یا دو سال کے بعد آپ کا صاحبزادہ پشتنگ سے اگر اس کو عیال کے خرچ کے لئے لے جاتا۔

سواری کے لئے ایک صغیف گھوڑی اپنے پاس رکھتے اور کبھی کوئی خادم بھی وقت

مولانا شیخ سید محمد اسلم شاہ صاحب افغانی

کے لئے اپنے ساتھ رکھتے۔ اور اس کے لئے جبہ ایک صنمیف تر گھوڑی رکھتے اور لباس میں سادگی پسند فرماتے۔ افغان تاجروں کی طرح پشادری سنگی سر پر باندھتے اور قدیمی افغانوں کی طرح کشادہ پاؤں شلوار پہنتے تھے۔

بڑا زبردست کشف آپ کو حاصل تھا۔ اکثر اوقات کسی کونہ میں مراقبہ کر کے بیٹھ رہتے۔ فقط ضرورت کے وقت افغانی زبان میں گفتگو کرتے۔ عبادات اور اراد و تہجد کے بہت عاشق تھے۔ علم ظاہری میں قرآن شریف اور وظائف و افغانی فقہ کی مطبوعہ اور مروجہ کتابیں پڑھی تھیں مگر علم کے بڑے شوقین تھے کسی جگہ سے کوئی مسئلہ یا کوئی حکایت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے متعلق تو بڑے شوق سے یاد کرتے اور سلف صالحین کے نقشب قدم پر چلنے کی کوشش فرماتے مثلاً وقت کے ناز و انداز اور فریبی دام بچانے اور ان کی بدعتی کارروائیوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔

ایک دن نیلامند سے فرمایا کہ مکاشفہ کے ذریعہ میں نے دیکھا کہ سالے سندھ پر تاریکی چھا گئی ہے اور گرد و غبار سے یہ سرزمین بھر گئی ہے قسم رکھنے کی جگہ بھی نہیں ملتی اسی تاریکی میں ایک مدھم سی روشنی مجھے نظر آئی یہ مشکل سے اس روشنی کے ذریعے اس خطرناک منزل کو طے کیا جاسکتا ہے میں نے عرض کیا کہ اس کشف کی تعبیر بھی آپ فرمادیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تاریکی پیران زمانہ کی بدعات اور ناجائز کارروائیوں سے ملک میں پھیلی ہے اور یہ صنمیف روشنائی جو دیکھی گئی وہ نقشبندی طریقت کی ہے جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی طرف دلالت کرتی ہے اور اس کی صنمیف کی وجہ یہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کے پیرو اور مرید دوسرے طریقوں کی نسبت تھوڑے ہیں۔

آپ حضرت والد قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد تشریف لائے تھے۔ بہت دلجوئی اور بے حد عنایت فرمائی۔ بلبل کے کپڑے کا گلڑا اور بگڑی اور دو روپے جیب سے نکال کر عنایت فرمائے اور کہا کہ اس کو سنبھال کے رکھنا۔ نیازمند نے ارادتندی سے قبول

کہ کے تبرک کے طور پر رکھ لئے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب آنکھیں بند کرتا ہوں تو مردوں سے کام پڑتا ہے میری گفتگو اور مجلس مردوں سے ہوتی ہے۔ اور مجھے نیک لوگوں کے وفات پانے کا افسوس ہوتا ہے آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ مگر بدن میں ایسے قوی تھے کہ تیس سال کا جوان ان سے مقابلہ نہ کر سکے کبھی اوقات مخصوصہ میں آپ کو ایسا جذبہ محبت النبی جل شانہ لاحق ہوتا تھا جو کوئی شخص آپ کی سرخ آنکھیں دیکھنے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اہل سنت و جماعت سے بخلاف فرقوں سے محنت نفرت کرتے تھے۔ خاص طور پر اہل تشیع سے جو سندھ میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں متفرق تھے۔ آپ اپنے مرشد حضرت ملا روح اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے کشف و کرامات کی عجیب و غریب حکایتیں بیان فرماتے تھے۔ سندھی لوگوں سے وصول کی ہوئی فتوحات کو مکروہ سمجھتے اور کہتے کہ اس سے بدبو آتی ہے اور اس سخن کو ادا کرتے وقت پیشانی مبارک کو بل دیتے اور کہتے ہیں اسے اپنے کام میں نہیں لاتا مگر کیا کروں میرا فرزند عیال کے خرچ کے لئے آتا ہے اگر کچھ نہیں پاتا تو ناراض ہوتا ہے اس کی خاطر کچھ جمع کر لیتا ہوں۔

آپ اپنی جوانی کی عجیب حکایتیں بیان فرماتے تھے کہ تھارت کے سفر میں ہندوستان کے ایسے جنگلوں سے گزر ہوتا تھا جہاں شیرم پر اور ہالے گھوٹوں پر چلہ کتے اور بہت دلیری سے مقابلہ کر کے خان بچاتے اس سے آپ کی بلند ہمتی معلوم ہوتی ہے سچ ہے خیال رکھ فی الجاہلۃ خیال رکھ فی الاسلام اذا فقہوا الحدیث یعنی جاہلیۃ کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اسلام لانے کے بعد دینیات میں سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

آپ کا علیہ مبارک یہ ہے۔ قدابا تھا۔ اعصار قوی تھے۔ چہرہ سرخ ناک بلند سفید داڑھی لمبائی میں درمیانی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ دنیا میں امید تھوڑی رکھتے اور عمل بہت کرتے افسوس کہ ۱۳۲۲ھ میں ستر اور اسی سال کے درمیان انتقال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

وتمہم جناب مولانا شیخ حاجی عبدالواحد سیوانی بوبکائی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ دراصل قصبہ بوبک ملاؤں میں سے ہیں۔ بوبک تحصیل سیون ضلع دادو سندھ کا ایک قصبہ ہے آپ نے طریقہ نقشبندیہ کی تلقین نیازمند کے جدامجد حضرت شاہ عبدالقیوم صاحب علیہ الرحمۃ سے حاصل کی تھی۔ اور مدت تک ان کی خدمت اقدس میں رہ کر ان کے بھائیوں سے سیراب ہوئے تھے عبادات میں آپ بہت متراضع تھے علوم مروجہ بقدر ضرورت علم و وقت سے حاصل کئے تھے حرمین شریفین کی زیارت سے کئی بار مشرف ہوئے تھے۔ اکثر اوقات زندگی درویشی اور مسکینی میں گزارتے جن دنوں میں آپ سے میری ملاقات ہوئی آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک پاؤں میں کچھ لنگ تھا۔ عصا کی مدد سے چلتے تھے سلوک کے مشہور مقامات اپنے مرشد قدس سرہ کی توجہ سے طے فرماتے تھے۔ آپ آخوند حاجی سچیدرنہ (جن کا ذکر پہلے کر چکا ہے) کے ہم صحبت تھے۔ آپ دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر ہر وقت مشغول بہ حق تھے۔

۱۹۲۹ء میں جب کہ حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ علماء اور فہم کی بڑی جماعت کے ساتھ سندھ سے سرہند شریف کے سفر ہو گئے تھے تو حاجی عبدالواحد صاحب بھی سفر میں حاضر خدمت تھے اور حضرت قبلہ گاہ قدس سرہ آپ کی زیادہ خاطر مدارات فرماتے تھے اس سفر میں جراححاب حضرت قبلہ قدس سرہ کے ہم کاب تھے چند کے اسامیہ ہیں:-

۱، مولوی حاجی عبداللہ صاحب دلہاری بھوکہ جید عالم تھے ۲، مولوی میاں عبدالہادی کھچی۔ ۳، سید حاجی گل محمد شاہ باجرائی ۴، جامع الفضائل سید میران محمد شاہ کلہاڑی ۵، سید حاجی غلام نبی شاہ ۶، ان کے بھائی سید غلام محمد شاہ کلہاڑی ۷، خلیفہ عبدالہادی ولد خلیفہ محمد قاسم مشاری والدہ ۸، ملا عبد الکریم بھالگی ۹، حضرت میاں عبدالقدوس صاحب مجددی منشی زادہ حضرت والد قدس سرہ ۱۰، حاجی عبدالواحد صاحب بوبکائی ۱۱، نیازمند کاتب الحروف محمد عفی عنہ وغیرہم۔ چند نفر خدام اور ملازم تھے۔ افسوس کہ تحریر رسالہ کے وقت اس مبارک سفر

کے رفیقوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ اور سب آخرت کو سدھار گئے۔ اللھم اغفرھم
وارحمھم واغفر لنا وارحمنا ببرعتھم۔

حاجی عبدالواحد صاحب مذکور باطنی کمال کے ہوتے ہوئے نہایت سادہ مزاج تھے۔
اور آپ کی طبع میں زور رنجی تھی فقواری مخالفت کسی سے دیکھتے تو اسے تنبیہ اور منع فرماتے
اور امر معروف میں سستی نہ فرماتے کبھی کبھی جماعت رفقائیں سے اگر کوئی خوش طبعی کے طور پر
آپ کی مخالفت میں کوئی بات چھیڑتا تو آپ سادہ مزاجی کے باعث اس کو واقعی مخالفت
سمجھ کر بہت غصے میں آتے اور اس سے جھگڑنا شروع کرتے اور ناراض ہو کر حضرت قبلہ گاہ
قدس سرہ کی خدمت میں اسے پیش فرماتے الغرض آپ بہت خرمیوں کے مالک تھے آپ
کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

وتمہم ۱۔ جناب شیخ تاج الدین چوٹیارسی سلمہ ربہ ہیں، آپ قصبہ چوٹیارسی
تعلقہ سانگلہ ترہ سندھ کے باشندے ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد اہل علم و فضل اور صاحب
کمال تھے۔ آپ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنے بزرگوں کے قدم بقدم پیرو ہیں۔ آپ
نے طریقت کی تلقین ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرہ سے حاصل کی تھی اور موصی علوم
علماء وقت سے حاصل کئے ہیں۔ آپ کو اپنے بزرگوں کے درخیز ہیں، ایک عجیب قلمی کتابخانہ
ملا ہے۔ آپ بڑے صاحب صلاحیت و ریاضت ہیں اور حد درجہ کے زاہد اور متکفل
ہیں۔ چند سال پیش آپ نے شادی کی تھی مگر آپ کی زوجہ محترمہ لا ولد فوت ہوئی۔ آپ کا
ایک بھائی نور الدین نامی ہے اور وہ بھی اہل صلاح کے طبقہ سے ہے۔ آپ بدن میں بالکل
ضعیف و نحیف ہیں مگر چلنے پھرنے اور وظائف بندگی و عبادت میں خدا تعالیٰ کے فضل
سے بالکل قوی اور باہمت ہیں اور تادم تحریر سالہ ہذا ۱۳۳۱ھ حیات میں۔ سلمہ ربہ
وابقاء و اوصلہ الی مایتمناک را فسوس کہ ۱۳۳۲ھ میں رحلت فرمائی،
انا للہ وانا الیہ راجعون ط

شیخ تاج الدین صاحب چوٹیارسی

و نہم جناب شیخ حاجی میاں محمد احسان سندھی جرداری رحمہ ربہ ہیں آپ قوم چڑا بلوچ سے تھے اور اپنے موضع جردا تحصیل ٹنڈہ الہ یار ضلع حیدر آباد سندھ میں سکونت پذیر تھے۔ طریقت کی تلقین ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرہ سے حاصل کی تھی اور باحیال و اطفال حرمین خریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ زہد و ریاضت اور عبادت میں بڑے پختہ قدم تھے۔ آپ اپنے حضرت پیر و مرشد کی صحبت میں بہت رہتے تھے اور فیضیاب ہوتے تھے اور حضرت ممدوح بھی آپ کی اچھی خاطر و مدارات فرماتے آپ بالکلو زیادہ تر نہ سوتے اور نوافل میں مشغول رہتے۔ آپ صاف اور سفید سوتی کپڑے پہنتے تھے اور اپنے ہاتھ سے کپڑوں کو صاف کر کے دھوتے۔

حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ کے انتقال کے بعد بھی بدستور آتے جاتے اور مجھ جیسے ناکارہ انسان سے اسی طریق پر اخلاص فرماتے۔ رمضان خریف کی پہلی تاریخ سے لے کر دویم شوال تک منڈہ سائیں داد میں ہائے ہاں کر رہتے۔ تمام رمضان شریف اس ہتھام کے ساتھ گزارتے کہ قرآن خریف کے ختمات میں شرکت فرماتے اور تراویح کے بعد بھی اپنے مقبرہ نوافل میں مشغول رہتے۔ رمضان خریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے آپ کی عمر ستر سال کے قریب پہنچ چکی تھی مگر وظائف عبادت میں بالکل بستی نہ فرماتے آپ کی بوڑھی زوجہ محترمہ بھی بفضلہ تعالیٰ ہر وقت بندگی اور عبادت میں مشغول رہتی زیادہ تر دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے اور پیرانہ سالی میں بھی ان کی کاپس میں عجیب محبت تھی۔ اگر حاجی صاحب کو کہیں سے مٹھائی کا حصہ یا سیوہ ملتا تو حاجیانی صاحبہ کے لئے رکھ چھوڑتے اور اسے پہنچا دیتے۔ اسی طرح اگر حاجیانی صاحبہ کو کہیں سے مٹھائی یا سیوہ ملتا تو اپنی چادر میں باندھ کر حاجی صاحب کے لئے رکھ چھوڑتیں اور انہیں پہنچا تیں۔

ان دونوں پر بیزگاروں کی محبت کا عجیب اتفاق ہوا کہ دونوں کٹھے بیمار ہوئے اور ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں وفات پائی۔ چنانچہ حاجی صاحب بھوڑا وقفہ پہلے فوت

ہوئے اور حاجیانی صاحبہ تھوڑی سی پچھے فوت ہوئیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آپ کا بڑا فرزند حاجی علی محمد سلمہ ربہ اب پچاس سال کی عمر کو پہنچا ہوگا۔ اور وہ بھی صاحبِ صلاحیت ہے اگرچہ جرور قوم میں اہل سنت و جماعت کے لوگ کم ہیں مگر یہ ایسا متصلب سنی ہے کہ اپنے تینوں بیٹوں کے نام یہ رکھے۔ صدیق و عمر و عثمان اور اپنے پوتے کا نام علی رکھا۔ سندھ میں یہ نام رکھنا کسی دوسرے سے سننے میں نہیں آیا۔

حاجی محمد احسان صاحب مرحوم نے قریباً ستر سال کی عمر میں ۱۳۲۰ھ میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کا حلیہ بہ قدر میانہ تھا۔ دائرہ سیف و دریا کی لمبائی لئے ہوئے ناک بلند تھی۔ چہرہ نورانی سر منڈا ہوا۔ پیٹھ محمد ار رحمہ ربہ۔

وہ نہم جناب شیخ مولانا شریف اللہ صاحب پشاور سی سلمہ ربہ ہیں آپ نے سلف صالحین کے طریقہ پر تنہائی اور گوشہ نشینی کو پسند کر کے دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی فرمائی ہے۔ اور کمال زہد و تقویٰ کے ساتھ ریاضات اور عبادات میں مشغول ہوئے ہیں۔

۱۳۲۱ھ میں چند رفیقوں کے ہمراہ مجھے ہندوستان کے ادیشا کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے سفر پر پیش آیا۔ اجمیر شریف کی زیارت اور سیاحت اگر وہ دہلی کے بعد سرہند شریف کی آستان بوسی سے مشرف ہوئے تو اداسی میں لاہور پہنچا وہاں سے رفقانے تو سندھ کی طرف رجعت کی اور میں برخوردار عبدالستار جان اور ایک خان کے ساتھ حضرات اجداد کرام کے مزارات کی مرمت کے لئے پشاور چلا گیا۔ پشاور کے کابلی دروازہ کے سامنے

شہر سے باہر حضرت جد امجد شیخ غلام محمد صاحب قدس سرہ اور ان کے فرزند شیخ غلام صاحب قدس سرہ کے مقبرہ مبارک ہیں مدت سے غیر آباد رہنے کی وجہ سے نہایت مرمت طلب تھے۔ پشاور میں پہنچ کر حکام وقت کی اجازت سے مزارات شریف اور احاطہ کی مرمت کا کام شروع کرایا۔ احاطہ کے دروازے پر چھوٹی سی مسجد بھی بنوائی شروع کی تقریباً ایک مہینہ

وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ شہر کے باغیچوں سے خدا پرست لوگوں کی تلاش کی گئی، صاحب میں سے میر مقبول شاہ (جو ایک صلح اور متدین شخص ہے) نے خبر دی کہ آج کے زمانہ میں حضرت شیخ شریف صاحب حبیب شخص پشاور میں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ آزادی سے پھر تار ہتا ہے کبھی کبھی شہر میں آتا ہے۔ درنہ زیادہ تر باہر رہتا ہے۔ اگرچہ ہوتا تو اس سے آپ کی ملاقات کر آتا۔ میں نے کہا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا اَمِيحًا۔ خدا تعالیٰ بعد میں جلدی کوئی سبب بنا دے آخر کچھ دن گزرے تو ایک دن مغرب کے وقت میں اور وہی دوست میر مقبول شاہ حضرات اجداد کرام کی خانقاہ سے پایادہ اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ جو کہ کابلی دروازہ سے باہر واقع تھی۔ ناگہانی طور پر شاہ صاحب موصوف کی نظر حضرت مولوی شریف اللہ صاحب پر پڑی جو ایک بگی کے پچھلے حصہ میں منہ ڈھکا ہوا تھا کہ جا رہے تھے تو کہنے لگے کہ حضرت مولوی صاحب یہ جا رہے ہیں اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ مولوی صاحب اس وقت شہر میں آئے ہیں میں نے شاہ صاحب کو کہا۔ کہ آپ بہت کم کے جلدی جاویں اور کسی حیلہ و بہانہ سے مولوی صاحب کو ہماری قیام گاہ پر پہنچائیے اور ہم بھی جلدی پہنچتے ہیں۔ شاہ صاحب آپ کے پیچھے بھاگے اور اپنی حکمت عملی سے ہمارے مکان کے بالا خانے پر مولوی صاحب کو پہنچایا۔ اسی وقت ہم بھی پہنچے دیکھا تو مولوی صاحب والا ان کے دروازہ پر ایک نکل پڑی چارپائی پر چادریں سے اوڑھ بیٹھے ہیں۔ جاتے ہی جاتے اسلام علیکم کہا۔ آپ نے منہ کھول کر مصافحہ کیا۔ نماز کا وقت تھا۔ آپ نے شاہ صاحب کو کہا۔ کہ ہماری ناز کی جگہ کہہ دوں گی۔ شاہ صاحب نے کہا کہ چھت کے اوپر زمیں صاف اور ہوا دار ہے اگر وہاں تشریف لے چلیں تو باجماعت فراغت سے ناز ہوگی۔ آپ چھت کے اوپر گئے اور ہم بھی دو تین آدمی پہنچے۔ آپ امام ہوئے اور تحریک کے وقت جماعت کی طرف منہ کر کے کہا کہ صف کو آپس میں بلاؤ اور باؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہلا کے کھڑے ہو جاؤ۔ ہم نے اگرچہ اپنی کوشش سے آپ کے کہنے کے مطابق کیا مگر مولوی صاحب کی تسلی نہ ہوئی۔

اور خود ہی اگر اپنے ہاتھوں سے مقتدیوں کے پیڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کے نماز شروع کی اور جس طرح انہوں نے چاہا نماز ختم کی اس کے بعد شاہ صاحب موصوف ہمارا تذکرہ درمیان میں لائے آپ متوجہ ہوئے اور نیچے آکر بلاخانہ کے اندر گئے۔ وہاں قالین بچے ہوئے تھے۔ آپ ان پر نہ بیٹھے اور کہنے لگے کہ یہ اسراف اور اہل دنیا کا کام ہے۔ آخر ایک شطرنجی کے کنارے پر بیٹھ گئے صحبت و محبت فرمائی۔ اسباب دنیاوی کا ترک کرنا جو بعض صالحین سے منقول ہے ان کا ذکر درمیان میں لائے اور دلچسپ نصیحتیں فرمائیں۔ اہل دنیا کی صحبت و الفت سے نفرت دلائی۔ ایک گھڑی بیٹھے کھانا حاضر ہوا تو اس میں سے تھوڑا کھایا پھر شاہ صاحب موصوف کے ساتھ چلے گئے بعد میں ان کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔

غرضیکہ مولوی صاحب کا عمل تقویٰ پر ہے۔ رخصت و اباحت کو عمل میں نہیں لاتے تھے۔ رسالہ ہذا کی تحریر کے وقت ۱۳۳۶ھ میں شاہ صاحب موصوف نے پوچھنے پر پشاور سے اطلاع دی ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اب تک مولوی صاحب زندہ ہیں خدا تعالیٰ ان کو سلام رکھے شاہ صاحب موصوف سے منقول ہے کہ ایک دن مولوی صاحب اپنے لئے خرچ کی ضرورت ہوئی۔ پشاور کا ایک مسلم تاجر مکان کی تعمیر کا کام کر رہا تھا۔ معمار اور مزدور روزانہ کام کرتے تھے مولوی صاحب نے اپنے کو مزدوروں میں داخل کر کے کام کے نافر سے کہا کہ مجھ سے کام تو اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ آہستہ کام کروں گا۔ روزانہ دو آنے لوں گا۔ ناظر نے خوشی سے آپ کی بشرط قبول کی کیونکہ دوسرے مزدور تو آٹھ آنے لیتے تھے۔ مولوی صاحب کام میں مشغول ہوئے اور نہایت پھرتی اور چالاکی سے کام کیا۔ عصر کے وقت جب تاجر بند کو مزدور کو پیسے دینے کے لئے آیا دیکھا تو مولوی صاحب گارے کی تغاری سر پر اٹھائے ہوئے خال آلود کام میں لگے ہوئے ہیں چونکہ تاجر بند کو آپ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اور آپ کا بڑا مستحق تھا۔ اٹھا اور آپ کے پاؤں میں گر کر معافی چاہنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا معافی کی کیا ضرورت ہے میں نے اپنے پیٹ کے لئے مزدوری کی ہے مجھے دعا کرنے دیجئے۔ میں چلا جاؤں گا۔ تاجر نے بہت

سے روپے آپ کی خدمت میں حاضر کئے اور عرض کیا کہ آپ قبول فرمائیں۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمائے اور دو آنے لے کر چلے گئے۔ شاہ صاحب مذکور اور بھی بہت سی خوارق علوٰی مولوی صاحب کی بیان کرتے تھے۔

آپ کا علیہ مبارک :- درمیانہ قد سفید چہرہ روشن پیشانی داڑھی درمیانی ہے آپ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ لوگوں سے اختلاط کم رکھتے ہیں۔ بازار اور کوچہ میں داخل ہوتے وقت چادر سے اپنے منہ کو چھپا لیتے ہیں۔ آپ کا قلب کی نسبت حدیث پر زیادہ عمل ہے بہر حال آپ کا وجود شریف آپ کے اسم جیسا ہی شریف اور عجوبہ زمان ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا پرستوں کی قدر دانی نہیں ہے۔ بزرگی بزرگزدگی کے ساتھ رواج پا چکی ہے اور پیری پیرزادگی کے ساتھ مفصوف ہو گئی ہے۔ وَلَا حُزْنَ وَلَا حَوْلَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ آپ کو خدا تعالیٰ سلامت رکھے۔ سلمہ ربہ و ابقاہ و وفقنا لما یحب ربنا و یرضاه۔

و منہم جناب حضرت حاجی ملا نور محمد صاحب افغان قندہاری رحمہ ربہ ہیں آپ نے طریقت کی تلقین ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرہ سے حاصل کی تھی۔ آپ قندھار سے بابہ مغربی طرف موضع سلوات میں سکونت پذیر تھے۔ اس جگہ آپ کا ایک چھوٹا سا انگوری باغیچہ تھا۔ جس میں انجیر کے بھی چند درخت تھے۔ اسی سے اپنے عیال و اطفال کا کانا کرتے تھے۔ آپ عبادات میں سخت تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ کے مکانات اور مسجد شریف شہر قندہار کے جو درانی محلہ میں واقع ہیں۔ وہاں ہمیشہ آپ آتے اور مکانات کی زیارت کر کے چلے جاتے اگرچہ حضور پر نور قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ اس وقت باعیال و اطفال سندھ یا حرمین شریفین میں رہتے تھے اگر حضور ممدوح کے برادر زادوں میں سے کوئی صاحبزادہ وہاں ہوتا تو آپ کمال شوق و گریہ و زاری سے قدم بوی فرماتے اور پھر دایرہ گھر جاتے۔ انہی صاحبزادوں سے معلوم ہوا کہ حاجی نور محمد جس وقت شہر میں داخل ہوتے ہیں

تو بارہ ہزار حاضر ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ پر جوتوں سمیت آنا بلحاظ حق ہے
 ۳۲۷ھ میں جب نیاز مند سندھ سے پہلی دفعہ قندھار پہنچا تو حاجی صاحب مومن
 کمال شوق و ذوق اور گریہ و زاری سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ کی شوق انگیز حکایات
 اور حیرت خیز حرکات و درود آمیز گریہ و سکنات ایک عجیب منظر دکھلائی تھیں۔ آپ کی طبع پر
 گریہ اس قدر غالب تھا کہ اکثر وقت آپ کی آنکھ گریہ آؤد رہتی جتنے دن میرا وہاں قیام رہا۔
 ہمیشہ اپنے باغیچے سے انگور اور انجیر جس قدر بل سکتے پہنچا دیتے تھے۔ بہ حال آپ عجیب استعداد
 کے مالک تھے اور بہت عبادت گزاری کی توفیق آپ کو نصیب تھی۔

آپ کا علیہ مبارک درمیانہ قد۔ نورانی چہرہ۔ داڑھی خوب صورت تھی۔ آپ کی عمر
 تقریباً پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان تھی۔ ۳۳۷ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ ربہ۔
 مولانا حاجی ملا سلطان صاحب قندھاری افغانی رحمہ ربہ ہیں آپ
 نے بھی طریقت کی تلقین ہمارے قبل گاہ حضرت والد صاحب قدس سرہ سے حاصل تھی۔
 ان کے تابع ہونے اور رجوع الی اللہ تعالیٰ ہونے کی حکایت یہ ہے کہ آپ بارک زنی
 افغان ہیں اور خود بیان کرتے تھے کہ میرے طفولیت کے زمانہ میں پٹھانوں کی ایک قوم نے
 قدیمی دشمنی کے باعث ہم پر حملہ کر کے میرے باپ اور چچا کو قتل کیا۔ اور مجھے میری والدہ
 گود میں چھپا کر بھاگ نکلی۔ اور کسی دوسرے علاقے میں جا کر سکونت پذیر ہوئے جب میری عمر
 بارہ سال کو پہنچی تو علم کی طلب میں نکلا قندھار اور اس کے ارد گرد چار پانچ سال طالب علمی میں
 گزارے فارسی اور علم فقہ کی کتابیں میں نے پڑھیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں جو سپہ ہاتھ آتا
 جمع کر کے سلاح و ہتھیار خرید کر تاج پناہ جوانی کے زمانے تک میرے پاس بندوق اور تھپچہ
 اور تلوار موجود ہو گئے۔ اور باپ کے قاتلوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ کبھی اکبلا اور کبھی ایک
 دوسرا تھی ہمراہ لے کر رات کو ان پر حملہ آور ہوتا ان میں سے جو میرے باپ کے قتل میں شریک تھے
 کبھی ایک کو اور کبھی دو کو قتل کرتا تھا اور پھر بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپتا۔ آخر سات آدمیوں کو

ہیں نے قتل کیا اور اس قوم پر میرا بہا رغیب اور خوف چھا گیا کہ وہ رات و دن بے آرام رہتی۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے افغانی رستم کے مطابق چند سیدوں اور پیرزادوں کو راتوں رات میرے پاس صلح کرنے کے واسطے لائے مصلحت وقت کے لحاظ سے میں نے ان سے صلح کر لی اور قتل و غارت سے باز آیا۔ مگر پھر میرے دل میں یہ خوف غالب آیا کہ جن کو میں نے قتل کیا ہے سب اہل ان میں کوئی بے گناہ قتل کیا گیا ہو اس وجہ سے زار زار روتا ہوا بزرگان وقت کے دروازوں پر پھرتا رہتا۔ ایک دن علاقہ معروف (جو قندھار سے چار منزلیں مشرقی جانب ہے) کے ایک بزرگ شخص نے مجھ سے کہا کہ تیری توبہ فلا نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر ہوگی یعنی ہمارے حضرت والد صاحب قدس سرہ کا نام لے کر کہا کہ وہ خدا تعالیٰ کے ولی ہیں جو سرخ لباس میں رہتے ہیں (سرخ لباس سے مراد بخاری اور دنیاوی تعلقات ہیں) اور اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کو بظاہر نہیں دیکھا۔ مگر آپ کا نام و نشان اور علیہ مبارک صاف صاف مجھے بتا دیا تھا اور جب میں حضرت مرثیہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اشارۃً کہا کہ فلاں بزرگ کے پتہ دینے پر آیا ہے الغرض آپ نے مجھے تلقین فرمائی اور قلبی ذکر میں مشغول فرمایا۔ انتہی بلفظہ۔

پھر جس دن سے حاجی ملا سلطان صاحب موصوف نے حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ کے مبارک ہاتھ پر بیعت توبہ فرمائی زندگی کے آخری ایام تک سفر اور حضر میں حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہے اور طرح طرح کی تکالیف اٹھا کر انتہائی جان بازی کا جوت دیتے رہے۔ موصوف کا گھر حضرت والد صاحب قدس سرہ کے مکان واقع قندھار سے آٹھ میل کے فاصلہ پر مغربی جانب علاقہ ارغستان کے اتان زئی قبیلہ میں تھا۔ وہاں سے بڑے سوز و گداز اور گریہ و شوق سے پار نہ دوڑتے ہوئے حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے اور کچھ دن قیام کرتے مگر گریہ و نالہ سے بالکل آرام نہ کرتے جب حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ کو گھر جانے کے لئے حکم فرماتے تو مجبوراً وہاں سے جلتے

ایک دو میل تک اپنے مرشد کی طرف منہ کر کے پس پا چلتے اور پیر مرشد کے آداب کی بجا آوری جس قدر اس شخص میں دیکھی گئی دوسرے کسی شخص میں متقدّمین کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ آپ اپنے گھر میں یا دوسرے ملک میں کبھی بھی اپنے برحق مرشد کی قیام گاہ کی طرف سونے کے وقت پاؤں پھیل کر نہ سوتے اور نہ کبھی پیٹھ کر کے بیٹھتے۔

جب ۲۹۶ء میں حضرت قبلہ گاہ قدس سرہ با عیال و اطفال قندھار سے عازم حرمین شریفین ہوئے تو ملا سلطان صاحب بھی ہم کاب تھے اور تین سال تک ملک سندھ اور حجاز مقدس میں آپ کی خدمت اقدس میں رہے اور آپ بھی موصوف کو اپنی فاضل عنایات سے مفتخر فرماتے اور بعض اوقات ملا سلطان صاحب آپ سے کتاب حصن حصین یا طریقہ محمدیہ سبقا پڑھتے اور مجدّدانہ انداز میں زندگی بسر کرتے۔ حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ ملا سلطان صاحب کی مجنونانہ وضع کو پسند فرماتے اور اس کے عاشقانہ انداز کو بہتے بعض قوت اس کے ساتھ خوش طبعی فرماتے اور اس کی سادہ مزاجی کو بہت پسند فرماتے۔

ملا سلطان صاحب کی عادت تھی کہ وہ کسی ہندو کو حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کے حضور میں آنے نہ دیتے۔ اور باہر سے اسے سخت کلامی سے ردک دیتے۔ اگر اتفاق سے کوئی ہندو قدمبوسی کے لئے حضور میں پہنچ جاتا تو آپ کے حضور میں اسے کچھ نہ کہتے جب وہ باہر چلا جاتا پھر اس کے پیچھے برسی طرح پڑتے اور اسے سخت ایذا دیتے اگر وہ شخص ان کے ہاتھ سے ٹکھل جاتا تو کسی دوسرے ہندو کو جہاں پالتے مارتے پیٹتے۔ اور کہتے کہ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ ناپاک ہندو حضور کے پاؤں پر ہاتھ رکھے۔ اگرچہ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ ان کو بہت منع فرماتے اور سمجھاتے کہ کسی کو ایذا دینا نہ چاہیے مگر وہ بے اختیار ہو کر ایسا کام کرتے غرض یکے موصوف صحبت کے ان ایام کو بہت غنیمت سمجھتے تھے گویا آپ نے سچی محبت اور عشق کا وہ دلولہ جو عالم دنیا سے ناپید ہو چکا تھا دوبارہ تازہ کر دیا عیان و مال مرشد پر قربان کرنے کو سعادت دارین

سمجھتے تھے۔۔۔ جب ۱۳۱۵ھ ماہ ذیقعدہ کی دہیم تاریخ بروز جمعہ حضور انور قبلہ گاہ قدس سرہ کا انتقال ہوا۔ تو کچھ عرصہ بعد موصوف افغانستان سے آئے تو اپنے برخی مرشد کے فراق میں ایسے جان سوز گریہ و زاری کے ساتھ فاک پر تڑپے اور لوٹے کہ تمام احباب و تعلقین کے در و فراق کو تازہ کر دیا کچھ عرصہ رہ کر اپنے وطن کو واپس ہوئے اور قریبی عرصہ میں وہاں انتقال فرمایا۔ اور اپنے محبوب ترین مرشد کے پیچھے پیچھے سفر آخرت اختیار کیا۔

حلیہ مبارک :- درمیانہ قد، سفید چہرہ، فراخ پیشانی، خوبصورت منہ اور دانت، دلاہمی درمیانی سر منڈا ہوا، نورانی چہرہ، لباس سادہ تھا۔ رحمہ اللہ بہ رحمة واسعة۔

وہ ہم جناب حضرت حافظ حاجی میاں ابوبکر صاحب سیوانی رحمہ اللہ ہیں آپ نے طریقت کی تلقین نیاز مند کے حضرت جلالہ قدس سرہ سے حاصل کی تھی آخر عمر میں آپ کی آنکھوں کی مینائی جاتی رہی۔ حیدر آباد سندھ کے محلہ دو گران کی مسجد میں رہتے تھے قرآن مجید یاد تھا۔ محلہ کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ آپ نے ساری عمر تہجد اور ترک دنیا میں گزاری، عبادت میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی شان ہے نابینا ہونے کے باوجود بوا سیر وغیرہ امراض میں مبتلا تھے۔ اور نہایت صابر و شاکر تھے۔ بار بار نیا وضو کرتے تھے۔ کشف میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ حافظ صالح نجار حیدر آبادی نے بیان کیا کہ میں نے کبھی دفعہ آنایا تھا کہ میں بالکل استیگی کے ساتھ مسجد کے بیرونی دروازہ سے اندر داخل ہو کر مشکوں سے وضو کے لئے پانی لیتا۔ اور کوڑہ کو بھرتا تو حافظ صاحب اندرون مسجد سے پکارنے کہ حافظ صالح پہلے ہاتھ دھو کر پھر مشکوں سے وضو کے لئے پانی لینا۔ اور اسی طرح ہشتی کو پکار کر کہنے کہ پہلے مشکوں کو صاف کر کے پھر نیا پانی ڈالنا۔ اسی طرح ان کے کشف کی متواتر حکایتیں منقول ہیں۔

جن دنوں حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ مقبہ مگہڑ میں سکونت فرماتے تھے۔ تو حافظ ابوبکر صاحب نے دو تین دفعہ تمام گھر کا سامان و اسباب نکال کر حضور کی خدمت میں نذر کیا اور آخر عمر تک مجبور رہے۔ آپ بہت قرائن تھے۔ بدن بھی نہایت ضعیف تھا۔ کبھی بھی عبادت

حضرت حافظ حاجی سید ابوبکر صاحب

سید محمد انور نقابان
یعنی بڑھئی

کی بجائے اور اسی اور اراضی مختلفہ کے ہوتے ہوئے بدن اور لباس میں پاکیزگی کے لئے بہت احتیاط فرماتے تھے اور کمال درجے کے پابند شریعت تھے کبھی کبھی اونٹ پر سوار ہو کر حصو انور کی خدمت میں ٹکڑے جو حیدر آباد مندر سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے (حاضر ہوتے اور نہایت جانفشانی فرماتے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو صلاح و فلاح کی توفیق عطا فرمائی تھی حصو کے انتقال سے تین سال پہلے ۱۲۸۵ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔

علیہ مبارک: - ضعیف البدن۔ قد خمدار تھا۔ لباس پاکیزہ خوبصورت پہنتے تھے دائرہ خوبی بصورت۔ سر منڈا ہوا۔ جوانی میں دیکھتا محبت کرتا۔ رحمہ ربہ رحمۃ واسعہ ومنہم جناب شیخ حاجی صاحب افغان کی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ توخی افغان غلزی تھے آپ اکثر مکہ معظمہ میں رہے۔ بڑے ریاضت کش تھے مقبول خلافت ہونے کے باعث آپ کی طرف لوگوں کی رجعت بہت تھی۔ خصوصاً افغان قوم اکثر آپ کے پاس آتی تھی آپ کو جو کچھ مالی فتوحات حاصل ہوتیں وہ سب حرم محترم کے فقرا اور مساکین پر خرچ فرماتے۔ اور آئندہ کے لئے کچھ بھی پس انداز نہ فرماتے۔ آپ کی اکثر عادت تھی کہ مالی فتوحات سے دنیوں کے دنب قصابوں سے خرید کر کے پکاتے اور مساکین حرم خصوصاً افغان قوم کو کھلاتے سال میں ایک بار مسکینوں کی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ مطہرہ علی صاحبہا الف الف صلوات اللہ علیہا والہیات کی زیارت کے لئے جاتے اور چند دن آرام سے اس مقدس بارگاہ میں رہ کر پھر اسی جماعت کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لاتے اور آتے جاتے وقت حجاز مقدس کے بدوی لوگ آپ کی مہمانیاں کرتے۔ آپ اور آپ کی جماعت کی بڑی عزت و تعظیم کرتے۔ ہمیشہ مدینہ منورہ کو پایہ پاہ جاتے اور آتے وقت کبھی بھی سواری قبول نہ فرماتے۔ قریباً تیس سال مکہ شریف میں رہے ہمیشہ آپ کی یہی عادت رہی۔ رات کو اکثر طواف کعبہ شریف میں مشغول رہتے اور عبادت کی سخت تکلیفیں اٹھاتے۔ سفر اور حضر میں ہمیشہ روزہ رکھتے علوم و مروجہ سے تقویٰ بہت واقف تھے اور کسی کے ساتھ بغیر ضرورت کے گفتگو نہ کرتے اکثر اوقات خاموش رہتے۔ جتنا

وقت حرم شریف کے بطوری رہے مجبور رہے زن و فرزند کی قید سے آزاد رہے۔ مسکینوں کے ساتھ حرم شریف میں رہتے اور حرم شریف کے مسکینوں کے جائے پناہ تھے۔ آپ کے مبارک نام کی اطلاع مجھ کو نہ مل سکی اور حاجی صاحب کے نام ہی سے مشہور تھے۔ لوگ آپ کی کرامات بیان کرتے تھے۔ تفصیل زیادہ زمانہ گزرنے کے باعث یاد نہیں رہی۔

آپ کا حلیہ مبارک :- درمیانہ قد۔ سفید سادہ افغانی لباس۔ گورازنگ۔ عبادات کا اثر آپ کی پیشانی سے ظاہر تھا جو شخص ظاہر آپ کو دیکھتا اس پر ہیبت چھا جاتی اور جو آپ سے اختلاف کرتا آپ کو اپنا محبوب بنا لیتا۔ ۱۳۳۷ھ میں حرم محترم کی زادوا اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۲۱۔ جناب مولانا جناب شیخ مولوی حضرت ولی النبی صاحب مجددی راجپوری رحمد رہے ہیں۔ آپ نسب میں مجددی و فاروقی ہیں طریقہ نقشبندیہ کی تلقین آپ نے حضرت احمد رضا صاحب مجددی دہلوی سے حاصل کی۔ اور حضرت احمد سعید صاحب حضرت شاہ منا دہلوی کے خلیفہ ہیں جس سال نیاز مند حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حضرت جہاں محمد قدس سرہ کی زیارت کے لئے سرسند شریف پہنچا۔ اور پھر حضور حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب المشہور بہ خواجہ بینگ کی زیارت کے لئے دہلی تشریف لے گئے تھے اس وقت سال ۱۳۹۹ھ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خانقاہ پر حضرت والد صاحب اور آپ کی ملاقات ہوئی۔ اسی مجلس میں نیاز مند بھی حاضر تھا۔ چنانچہ آپ کی دست بوسی سے مشرف ہوا۔ آپ اس وقت بہت عمر اور پیر سن تھے۔ اور بہت ہی ضعیف تھے نہایت ہی خلیق متواضع اور مہربان تھے۔ آپ کی سکونت شہر راجپور میں تھی مگر حضرات قدس سرہم کے سالانہ عرس یا کسی دوسرے سبب سے دہلی تشریف لائے تھے۔ اور حسن اتفاق سے آپ کی ملاقات حضرت والد صاحب قدس سرہ سے وہیں پر ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کے ارشاد کا بہت عام چرچا تھا۔ بہت لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر فیض

۲۱۔ جناب شیخ مولوی حضرت ولی النبی صاحب

۱۔ یعنی شاہ غلام علی صاحب دہلوی

ہوئے تھے۔ آپ کو شریعت اور طریقت پر کمال درجے کی استقامت حاصل تھی۔ سلف صالحین کے طریقے کو از سر نو تازہ کیا تھا۔ آپ کا علمی پایہ مولوی کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ فقط اسی ایک مجلس میں نیازت کو ملاقات کا موقع حاصل ہوا۔
 حلیہ مبارک :- قدابا تھا۔ بیٹھ خدا ر۔ دائرہ مبارک چھوٹی۔ آنکھیں اند میں گھسی ہوئی ہندوستان کے صوفیاء کا مروجہ لباس پہنتے تھے۔ اس وقت قریبی زمانہ میں آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہو گئی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمتہ واسعہ۔ آپ کے انتقال کا سال یقیناً مجھے معلوم نہ ہو سکا۔

و منہم جناب شیخ حاجی سلیمان گلہرائی رحمہ ربہ ہیں بلکہ ضلع حیدر آباد سندھ کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ حیدر آباد سے آٹھ کوس جنوب کی طرف واقع ہے۔ یہاں کے رئیس وزمیندار ہیں جن کی پڑاؤ ص کوئٹہ اور کشش سے حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ باعیال و اطفال زمانہ سفر عربستان ۱۳۱۵ھ سے دو سال قبل اور ۱۳۱۷ھ میں حجاز مقدس کی واپسی کے بعد دس سال یہاں سکونت فرمائی۔ تا آنکہ ۱۳۱۸ھ میں اسی جگہ آپ کا انتقال ہوا۔ اور اسی قصبہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں آپ کا مقبرہ منور بنا۔

حاجی سلیمان صاحب موصوف اسی قصبہ میں سکونت پذیر تھے اور دھوبی کا کام کرتے تھے۔ عیال و اطفال کو پرورش بھی اسی کام کے ذریعہ کرتے تھے۔ آپ نہایت قیاض اور عبادت گزار تھے سارا دن دھوبی کے کام کے ذریعہ رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور ساری رات مسجد شریف میں حضرت رب العزت جل شانہ کی عبادت کرتے۔ اگرچہ ظاہری علوم سے بہرہ ور نہ تھے مگر عنایات الہی جل شانہ شامل تھیں۔ جو موصوف کو اپنی طرف کھینچتے تھیں۔ آپ اکثر ات کو نیند یا آرام نہ کرتے۔ اگر بغیر ضرورت کے لحاظ سے آپ کو نیند آتی جاتی تو بیٹھے بیٹھے سر کو گھنٹوں پر رکھ کر مراقبہ کی صورت میں نیند کر لیتے۔ اور استغراق کی حالت میں رہتے جس میں حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ نازاد افرماتے تھے حاجی صاحب بھی اکثر

نماز وہاں اکر پڑھتے اور رات کو بھی اسی مسجد میں بعبادت النبی مشغول رہتے۔ آپ کی طبیعت پر خاموشی غالب تھی جب آپ کا سانحہ ارتحال نکلا سب میں واقع ہوا تو حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ آپ کے آخری وقت میں تشریف لائے اور آپ کو کلمہ شہادت کی تلقین فرمائی۔

ایک محتد شخص سے منقول ہے کہ حضور انور قدس سرہ نے آخری وقت میں حاجی سلیمان صاحب مرحوم کے کان میں فرمایا کہ میری طرف سے سید میران محمد شاہ کو سلام پہنچانا۔ سید میران محمد شاہ صاحب مرحوم قصبہ کلہڑ کے جامع الکملات و منبع الفیوضات شخص تھے جو ۹۹ سالہ میں ذات الحجب کے باعث انتقال فرما گئے۔ سید موصوف کو حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ سے کمال عشق اور اخلاص تھا۔ اور موصوف ایک سید شریف النسب عالم عامل طبیب و حاذق شاعر ماہر عابد و زائد اور فنون خوشنویسی اور انگریزی و انی و لطیفہ گوئی میں لاثانی تھے۔ موصوف نے طریقت کی تلقین ہمارے حضرت جہاد محمد صاحب قدس سرہ سے حاصل کی تھی جس سال حضرت والد صاحب قدس سرہ حرمین شریفین کے خیال سے ہامیال و اطفال سندھ میں تشریف لائے تھے تو شاہ صاحب موصوف کمال محبت کی وجہ سے شہر بھاگ ناڑی ریاست قلات بلوچستان میں آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے تھے جو قصبہ کلہڑ سے قریب آتین سو میل دور ہے اور حضور انور کا کلہڑ میں متقل سکونت فرمایا بھی شاہ صاحب مرحوم ہی کی کوشش سے تھا۔

حاجی سلیمان صاحب موصوف کا علیہ مبارک۔ درمیانہ قد لبانی کی طرف مائل تھا سانولہ رنگ۔ باوجود سانولے رنگ کے عبادت کی نورانیت آپ کے چہرہ سے ظاہر تھی۔ واڑھی بالکل تھوڑی صرف چند سفید بال زرخندان پر تھے۔ کشادہ پیشانی سر منڈا ہوا۔ رحمہ اللہ و نہم صوفی / جناب شیخ ملا میل عظم صاحب افغان علی زئی معروفی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ علاقہ معروف کے باشندے تھے جو قندھار سے چار منزل کے فاصلہ پر مشرقی جانب واقع ہے۔ آپ نے طریقہ نقشبندیہ نیازمند کے حضرت جہاد محمد قدس سرہ سے سیکھا۔

احوال سید میران محمد شاہ
حاجی محمد جواد آذیل سید
میران محمد شاہ سید سکونت
پاکستان ۱۲۰

جناب شیخ ملا میل عظم صاحب

اور سب منازل سلوک آپ ہی کی توجہ سے ملے قربانی تھیں۔ شرف خلافت سے مشرف تھے اور بہت لوگوں نے اپنی اپنی لیاقت اور استعداد کے مطابق آپ سے فیوض باطنی حاصل کیے تھے۔ نیاز مند نے اپنے بچپن کے زمانے میں آپ کو دیکھا تھا اور سورہ انشا ان لنا فی الیلة القدر آپ ہی سے سبقاً پڑھی تھی آپ کو حضرت والد صاحب قدس سرہ سے کمال محبت تھی۔ اور اکثر آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے اور عجیب صحبتیں رہتی تھیں اور حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم سے آپ کی عمر زیادہ تھی۔ کانوں سے بہرے تھے۔ بہت تکلیف کے ساتھ بات سن سکتے تھے۔ حضرت والد صاحب مرحوم آپ کی بہت عزت اور تعظیم فرماتے تھے۔ آپ نے اپنی عمر عزیز کو ادراد و وظائف و مراقبات سلوک میں مصروف کر رکھا تھا۔ آپ بڑے صاحب ہیبت اور جلال تھے۔ آپ کے ایک فرزند سے جو حضرت والد صاحب علیہ الرحمۃ کے ہم عمر تھے نیاز مند نے فارسی کی چند درسی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملا باز محمدان کا نام تھا۔ آپ چند وجوہات نہان کی بنا پر اس سے ناراض تھے۔ ملا باز محمد صاحب والد صاحب کی ناراضگی کے باعث سخت پریشان تھے اور زبان کی تکلیفات کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ آپ کے ان کے علاوہ چار بڑے اور بھی تھے۔ جن میں سے ایک ملا نظر محمد صاحب ہیں جو تادم تحریر بقید حیات ہیں۔ آپ علی علی کمالات سے آراستہ ہیں۔ اور طریقت کی تلقین حضرت والد صاحب قدس سرہ سے حاصل کی ہے۔

آپ کا حلیہ مبارک۔ لمبا قد۔ قوی البدن۔ پشت خم دار۔ داڑھی مبارک گھنی۔ جو خاص خضاب شدہ تھی۔ ناک بلند۔ چہرہ و کشادہ۔ جن دونوں میں نیاز مند نے آپ کو دیکھا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر اسی اور نوے سال کے درمیان تھی۔ آپ نے ۱۲۸۹ھ میں انتقال فرمایا اور اپنے وطن معروف میں مدفون ہوئے۔ رحمہ ربہ رحمۃً واسعۃً۔

وہم جناب مولانا شیخ ملا نجم الدین صاحب افغان علی زئی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ بھی علاقہ معروف افغانستان کے باشندے تھے! مغانی اصطلاح میں ناموں کو مصغر کرنے کی وجہ سے

سے آپ ملاخو کے نام سے مشہور تھے آپ کی طبع مجذوبی مائل تھی آپ اکثر ہوشیاری کی حالت میں رہتے تھے۔ تارک الدنیا اور مقولے سے ضروری روزیہ پر قائل تھے۔ لباس فقط اس قدر پہنتے تھے جس سے ستر عورت ہو سکے۔ تھوڑی سی روٹی پر گزارہ کرتے۔ طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ہوش کامل تھا۔ اس کے بعد اس علمی درجے کو پہنچے جو علم پڑھنے کا مقصد ہے اور اس مقولہ کے مصداق بنے من عمل بما علم علمہ اللہ تعالیٰ مالہم یعلمہ۔

مجذوبی کی حالت میں بہت سے غیبی راز آپ سے ظاہر ہوتے۔ پھر جب ہوش میں آتے اور ان حالات سے خبردار ہوتے تو استغفار پڑھتے اور لوگوں سے کہتے بابا دیوانے کی باتوں پر کیا اعتبار ہے۔ ایک دن اپنی گدازان کے لئے فصل گندم کی کٹائی کر رہے تھے۔ اور اپنے کپڑے ایک دیوار کے چھپے اتار رکھے تھے ایک شخص یہ دیکھ کر کہ کپڑے پڑے ہیں اور کوئی آدمی اس جگہ نہیں کپڑے اٹھانے کو تیار ہوا۔ تو ملاخو صاحب دیوار کے چھپے سے پکار کر کہنے لگے کہ بھائی ان کے سوا دوسرا کوئی کپڑا میرے پاس نہیں ہے مہربانی کر کے ان کو چھوڑ دے وہ شخص یہ غیبی آواز سن کر ڈر کے مارے بھاگ گیا کبھی کبھی اپنے ساتھ ایسی باتیں کرتے جو کسی کی سمجھ میں نہ آتیں اس مجذوبی حالت کے ہوتے ہوئے وظائف بندگی و عبادت پر کئی استقامت تھی۔ نوافل بہت پڑھتے تھے۔

حلیہ مبارک :- درمیانہ قد۔ منہ صغیر البدن۔ واڑھی مقوڑی سی سادہ لباس اکثر اوقات میل کچلا دیکھا جاتا۔ نماز مند کے ایام میں آپ نے ۱۲۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اور ایک روکا وراثت چھوڑا جس کا نام حکمت تھا۔ جس نے ہمارے حضرت والد صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ساری عمر بسر کی۔ جب ۱۳۰۰ھ میں آپ باعیال و اطفال حرمین شریفین تشریف لے گئے تو حکمت مذکور آپ کی خدمت میں تھا۔ اور حسب مقولہ الولد سر لا یمہ اپنے باپ جیسا مجذوب الحال سادہ مزاج تھا۔ ۱۳۰۰ھ میں اپنے اصلی وطن معروف میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوا۔ رحمہما ربہما رحمۃ واسعہ۔

وہم حضرت چناب مولوی میاں عطا اللہ صاحب سندھی سکری ہیں۔ آپ عبادات و ریاضات و زہد پر موفق ہیں علوم و وجہ میں اچھا ملکہ حاصل ہے۔ آپ مولینا عبد اللہ صاحب مرحوم سکھری کے ہمیشہ و زادہ ہیں۔ جن کا ذکر اس رسالہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ غرضیکہ مولوی عطا اللہ صاحب ایک شجرہ طیب کی شاخ ہیں۔

۱۳۲۲ء گرمی کے ایام میں اتفاق سے میری منزل سکھر میں ہوئی۔ تو مولوی صاحب یہ سن کر بے اختیار اسی بے تکلفانہ انداز میں ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ایک سیہ رنگ سادہ تہ بند چھوٹا سا بندھا ہوا اور ایک چادر اسی وضع کی کندھوں پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا مولوی صاحب یہ کیا حالت ہے۔ تو آپ نے جاکلی کی یہ رباعی جواب میں پڑھی۔

ہنگلے زیر ہنگلے بالا

نے غم دزد نے غم کالا۔

ایں قدر بس بود جالی را

رند کے مست ولا ابالی را

تا وقت تحریر رسالہ ہذا قید حیات میں ہیں۔ متع السلمین حیاتہ۔

وہم صوفی شیخ حاجی طیب میمن تھے۔ جیسا آپ کا نام طیب تھا۔ ویسا آپ کا کام طیب تھا۔ بہت سے مرضوں میں مبتلا تھے۔ نہایت صابر و شاکر تھے۔ عمر عزیز کا زیادہ حصہ تو حضرت والد قبلہ گاہ قدس سو کی خدمت میں گزارا تھا۔ بخود ازمانہ نیاز مند کی صحبت میں آخر تک پہنچا یا تقریباً پینتیس سال کمال جان نثاری کے ساتھ اپنے مرشد کی درگاہ پر خادم رہے اکثر ایام صائم النہار اور قائم اللیل رہتے تھے۔ حجاز مقدس کا پہلا سفر حضرت والد مرحوم کی خدمت میں گزارا جیڑی بی مشکیں پانی کی بھر کر دروازہ پر پہنچاتے تھے۔ دوسرا سفر حرمین شریفین ۱۳۲۲ء میں نیاز مند کی رفاقت میں رہے۔

آپ بہت مریض تھے شدت گرمی سندھ میں دن کو روزہ رکھتے اور ہل چلاتے دیرین سخت تکلیف کی خدمتیں کجا لیتے اور رات کو بندگی حق تعالیٰ میں مشغول رہتے آپ کے وجود سے بے اختیار آوازیں نکلتیں کوئی حکیم ان کا علاج نہ کر سکتا۔

چار پانچ بکریاں آپ کی ملکیت میں تھیں۔ ان کا دودھ کچھ آپ پیتے اور باقی کو فروخت
کے اپنے لئے سوتی کپڑے حاصل کرتے۔ نہایت ساوہ طبع خوش خلق خادم خلق تھے۔ اگر بھی
سفر سندھ میں کسی دوست کی جگہ پر جانے تو جھگل سے اس کے لئے لکڑی جمع کر کے لاتے یا
اپنے میزبان کے لئے چکی پیس کر آٹا مہیا کرتے۔ غرضیکہ آپ ایک عجوبہ زمان تھے اور اہل
عمر میں شادی کی تھی کہ انہیں دنوں میں آپ کی اہلیہ فوت ہو گئی۔ پھر ساری عمر شادی کا خیال
نہ کیا۔ اور عیال سے مجرود، دنیا سے مجرود، نفسِ ماریہ کے مکروں سے مجرورہ کہ ۳۲ سالہ میں مرض
یواسیر سے ٹنڈہ سائیں دلوں میں نیاز مند کے معان خانہ میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا
الیہ راجعون۔ مرحلہ سربلہ رحمۃً راسعۃً۔

وہ عجب بات قدرت جو مؤلف رسالہ کی نظر سے گزری ہے

چونکہ اس رسالہ میں اپنے چشم دید واقعات کا ذکر لازم ٹھہرایا گیا ہے اور سنی ہوئی باتوں کو
دخل نہیں دیا گیا مگر ضمناً کہیں کوئی بات آگئی ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس لئے اصحاب بصیرت
کی عبرت کے لئے عجائبات قدرت قدرِ جلشانہ کے چشم دید واقعات لکھے جاتے ہیں۔
عجمیہ مکیم۔ ۱۲۸۶ھ میں جب کہ میری عمر نو سال کی تھی اور حضرت والد ماجد قبلہ کے
سایہ عاطفت میں شہرِ قندہار میں ابتدائی تعلیم پاتا تھا۔ محمد امین افغان جس کی عمر تقریباً ساڑھے سال
کی تھی۔ اور حضرت والد ماجد قدس سرہ کی گائیں چرنے پر مقرر تھا۔ قندھار کے بابہ آدھ میل کے
فاصلہ پر ایک بڑا قبرستان ہے جہاں ایک احاطہ کے اندر ہمارے اجداد کرام (میں سے حد سوم حضرت
میر غلام النبی رحمۃ اللہ علیہم تک) کے مزارات ہیں۔ اور مزارات کے گرد اگر احاطہ کے اندر چھوٹا
سا باغیچہ ہے جہاں توت کے درخت اور گل چنبیلی وغیرہ سبزہ زار ہے۔ ایک دن باغیچہ کے
اندر محمد امین مذکور دو تین گائیں چرا رہا تھا۔ اسے ایک مزار پر چڑیا سے کچھ بڑا ایک پرندہ فاختہ سی

کا نظر آیا۔ جو اپنے سر کو اپنی طاقت کے مطابق اوپر کر کے پھر جلدی سے اپنی چھنج کو زمین پر مار رہا تھا۔ کچھ وقت دور سے اس پرند کو حیرت کی نظر سے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے نزدیک ہوتا گیا جب بالکل نزدیک ہونے پر بھی وہ پرندہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور بدستور اپنے کام میں مشغول رہا تو محمد امین نے جرات کر کے اسے پکڑ لیا۔ اور اسے حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس عجیب صورت اور غریب سیرت پرند کے دیکھنے سے ہم سب حیرت میں رہے خانگی چڑیا سے کچھ بڑا اور صاف خاکستری رنگ کا تھا جس میں کوئی بھی دوسرا رنگ نہ تھا۔ البتہ اس کی گردن بدن کے لحاظ سے کچھ بڑی تھی۔ بس اس کا بھی فعل تھا۔ کہ اپنی طاقت کے موافق گردن کو پیچ دیتا ہوا سر کو اوپر کر کے جلدی سے چھنج کو زمین پر مارتا۔ لوگوں کے انہوہ یا کسی کے ہاتھ لگانے کی بالکل پرواہ نہ کرتا۔ دانہ اور بانی کی طرف بھی بالکل خیال نہ کرتا۔ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں چند معززین شہر حاضر تھے۔ سب قدرت قدیر جل شانہ کے اس کمال کو دیکھ کر محو حیرت تھے۔ دوپہر سے شام تک لوگ یہ تماشا دیکھنے رہے۔ آخر شام کو لوہے کے مضبوط قفس میں اسے ڈال کر بالکل احتیاط کے ساتھ قفس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

دوسرے دن صبح کو نزدیک اور دور کے بہت سے لوگ اس عجیبہ قدرت کو دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ جب قفس کو دیکھا تو بدستور بند ہے اور وہ پرند گم ہے۔ اس سے لوگوں کو اور زیادہ حیرت ہوئی کہ جس قفس کے سوراخوں میں انگلی نہیں جاسکتی۔ اس سے یہ پرندہ کیسے نکل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کیا تھا۔

عجیبہ دو ویکم سلمہ میں جب کہ ٹنڈہ سائیں دادر ڈاکھانڈہ محمد خان ضلع جیکڑا سندھ میں مکانات تعمیر کرنے کا ارادہ ہوا اور لھٹوں میں اینٹیں پکولنے کا کام جاری کیا گیا تو اینٹیں پکالنے والے مزدوروں نے حسب دستور ایک بھٹہ کو کچی اینٹوں سے بھر کر دو تین دن اس کو جبر آگ دی۔ اس کے بعد ایک ہفتہ تک بھٹہ کو اوپر سے بند کر دیا گیا تاکہ آگ کی گرمی باقی رہے اور اینٹوں کو اچھی طرح پکائے پھر اسے پانچ چھ دن کے لئے کھلا رکھا گیا تاکہ

اینٹیں سر دھونے پر نکالی جاسکیں۔ جب اینٹیں نکالنے کا وقت آیا۔ تویں بھی اینٹوں کے اچھی طرح پکنے یا نہ پکنے کے معائنہ کی غرض سے حاضر ہوا اور مزدور اینٹیں نکالنے میں مشغول ہوئے۔ اینٹیں بھی اچھی طرح پکی تھیں۔ جب اوپر کی دو قطاریں نکالی گئیں تو عین درمیان سے آدھی کچی اور آدھی پکی ہوئی اینٹیں ظاہر ہوئیں مزدور لوگ حیران رہے کہ اگر کھٹہ کچا رہتا تو اوپر کی قطاریں کچی رہتیں یہ کیا معاملہ ہے کہ گرد اگر دھبی اینٹیں عمدہ پکی ہوئی ہیں۔ اور بیچ میں کچے کچی رہ گئیں آخر ان کو بھی نکالنا شروع کیا۔ تو ان نیم خام اینٹوں کے درمیان سے ایک گز مربع میں اینٹیں صاف کچی نکلیں۔ میں بھی اس منظر کو تعجب کی نظر سے کھرا دیکھ رہا تھا۔ تو اچانک ان کچی اینٹوں سے ایک چھپکلی صحیح و سالم نکلی اور پھر اس جگہ سے اس کے انڈے بھی نکلے۔ کچھ تو اینٹوں کے زیر و بالا کرنے سے ٹوٹ گئے تھے اور کچھ سلامت رہے خود تو بھاگ کر کھٹہ سے باہر خس و خاشاک میں جا کر چھپی اور انڈے وہاں چھوڑ گئی۔

ہم سب پروردگار عالم جل شانہ کے اس کرشمہ قدرت کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ کہ اپنی قدرت کاملہ اور بے پایاں رحمت سے ایک ضعیف جانور کو ایسی تیز آگ سے نجات بخشی جس نے گرد اگر دساے بھٹکی اینٹوں کو پکا یا تھا۔

گرفتارند من آن است کہ من میدانم شیشہ را در بغل سنگ نگہ می دارم
عجیبہ سووم۔ ۱۳۱۲ھ میں ایک دن علاقہ ناره ضلع قہر پار کر سندھ میں پرندوں کے شکار کرنے کی غرض سے جب ہم ٹھلے تو عمر کے وقت ایک جگہ بھول کے درختوں کے سایہ میں استراحت کے لئے بیٹھ گئے۔

وہاں دیکھا کہ ایک باز نے ہدہ کو شکار کیا ہے اور ہوا میں اس کے ساتھ کھیل رہا ہے کبھی اس کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بیچارہ پریشانی کی حالت میں اڑتا ہوا کچھ دور جاتا ہے پھر باز تیزی سے اس پر حملہ کر کے اپنے پنجہ میں لانا ہے کچھ وقت اس کے ساتھ اس طرح کھیلتا رہا۔ آخر کھانے کی غرض سے اسے زمین پر لا کر مائے نزدیک بیٹھ گیا۔ جب اس نے دونوں پنجل سے

بدبہ کے پھاڑنے کا ارادہ کیا تو میں نے بندوق سے اس پر فائر کیا۔ بندوق کے چھروں نے بازو کو ذرہ ذرہ کر دیا اور اس کا سینہ پاش پاش ہو گیا۔

مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے بے چارہ بدبہ جو اجل کے پنجے میں سخت گرفتار تھا بندوق کے فائر سے ذرہ بھر نقصان بھی اُسے نہیں پہنچا البتہ بازو کے سدھ سے وہ اس قدر گھبرا گیا تھا کہ کچھ وقت تک اس میں مارنے کی طاقت نہ رہی۔ پھر قزوٹی دیر کے بعد اپنی مرضی سے اڑ کر چلا گیا اور ہم سب دیکھنے والے حضرت خلاق عالم جل شانہ کی اس قدرت کا مکہ کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئے کہ اس حقیقت پرچوں جل شانہ نے بدبہ کو کس طرح اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر بازو کے پنجے اور بندوق کے حملہ سے بچایا۔

عجیبہ چہارم ۱۳۳۲ھ میں بفضلہ تعالیٰ ہمیں سفر حجاز درپیش آیا۔ یورپی ممالک میں جنگ چھڑنے کی وجہ سے بندر کویت سے براہِ نجد جانا پڑا۔ کویت میں قافلہ کی تیاری کے لئے بیس دن معطل رہے۔ اس سفر کی پوری تفصیل تو سفرنامہ میں موجود ہے اس جگہ فقط ایک عجیب واقعہ لکھنا ہے وہ یہ ہے کہ ۲۸ شوال ۱۳۳۲ھ کو بندر کویت سے روانہ ہو کر اکٹھ کوں کے فاصلہ پر ہمیں ایک کنواں ملا جہاں قافلہ کے اکٹھے ہونے اور پانی ساتھ لینے کی غرض سے دو روز بقیہ بنا پڑا۔

یکم ذیقعدہ کو قافلہ برلحہ صحرائے عرب روانہ ہوا اور روز طلوع فجر کے وقت روانہ ہوتے سارا دن صحرا نوروی کرتے ہوئے رات کو اسی صحرائے بے آب میں منزل انداز ہوتے پانچویں یا چھٹے دن کسی کنوئیں تک پہنچ جاتے۔ اس کنوئیں سے اونٹوں کو سیراب کیا جاتا اور خالی شکلیں بھری جاتیں۔ درسیان میں فقط جان بچانے کے لئے پانی کا استعمال کیا جاتا، الغرض اسی طریق سے مکہ معظمہ رزادھا اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً تک بتیس منزلیں طے کیں اور ختم ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ ابتداً سفر سے لے کر مکہ معظمہ تک ہمارے قافلے کے ساتھ دو پرندے رفیق ہوئے جو ابابیل جیسے چبوترے سیلہ پشت و خلی حکم و دراز دم تھے۔ جب دستورِ عرب بے ہمارا اونٹوں

کا قافلہ سارا دن چلتا اور یہ پرندے بھی سارا دن کبھی قافلہ کے دائیں طرف کبھی بائیں طرف اڑتے چلتے اور کبھی قافلہ کے درمیان پرواز کرتے رہتے۔ جب رات کو قافلہ کسی جگہ منزل انداز ہوتا تو یہ پرندے غائب ہو جاتے اور معلوم نہیں ہوتا تھا کہ رات کو یہ ضعیف جاندار کیسا کھاتے ہیں اور کیا پیتے ہیں اور کہاں جا کر رہتے ہیں اور کبھی کبھی دو سے تین پرندے نظر آتے۔ پھر عجیب و غریب واقعہ ہوا کہ ملک نجد کی آبادی میں تقسیم ایک شہر ہے جہاں درخت خواہ بکثرت ہیں باویہ نشین عربوں کے رواج کے مطابق گھوڑوں کی دیواریں بچتے ہیں اور کچھ دکانیں بھی ہیں اور مسجد بھی ہے روزانہ وہاں عربوں کے صد ہا اونٹ آتے اور صد ہا جاتے ہیں وہاں چار دن رہنا پڑا لیکن یہ پرندے بالکل نظر نہ آئے جس دن ہمارا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا تو پھر اسی طرح وہ پرندے ہماری رفاقت میں شامل ہو گئے حرم محترم کی ارض پاک میں داخل ہونے تک یہ بے چارے رفیق سفر رہے اور کسی کو اس حقیقت کا راز معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا تھے اور تیس دن تک یہ بیچارے بغیر آب و دانہ ہمارے قافلہ کی رفاقت میں کیوں رہے؟ اور اس رفاقت میں ان کا کیا مقصد تھا۔ جو آخری راتوں کے اندھیرے میں بھی رفیق سفر رہتے اور شہر تقسیم کے نخلستان کی آبادی میں بھی نہ رہ گئے۔ اور جو تھے روز قافلہ کی روانگی کی خبر ان کو کیسے ہوئی؟ بے شک ”وما یعلم جنود ربك الا هو“ خدا تعالیٰ ہی اپنی بے شمار مخلوقات کے بھیدوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔“

عجیبہ پنجم۔ ۱۳۹۹ھ میں ایک افغان غلام سرور نامی نندہ سائیں داد میں میرے پاس آیا۔ اسے بچپن سے مصرع کی بیماری لاحق تھی اور مرض کے دورہ کے وقت کبھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ دورہ کے شروع ہونے پر بے ہوشی کی حالت میں بے اختیار کہیں اٹھ کر چلا جاتا اور چند قدم کے بعد گر پڑتا۔ ایک دن میں گھر میں تھا کہ باہر سے غل ہوا کہنے لگے کہ غلام سرور مسجد کے کونوں میں گر چلا ہے۔ باہر آنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہمارے خانہ کے الان میں سویا ہوا تھا۔ خبر نہیں کس وقت اس کو دورہ شروع ہوا اور وہ بیہوشی کی حالت میں اگر کوئی

میں گر گیا ہے مہمان خانہ سے مسجد کا کنواں بند رہا جس قدم کے فاصلے پر ہوگا جس وقت سے وہ گرا ہے اس کا اندازہ خدا تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ جب گاؤں کا ایک آدمی کنوئیں سے پانی لینے کے واسطے آیا دیکھا تو کنوئیں کے اندر کوئی جانور ہے۔ اس نے شور مچانا شروع کیا کہ کنوئیں کی تاریکی میں کیا چیز ہے؛ جب دوسرے لوگ آئے تو معلوم ہوا کہ غلام سرور کنوئیں میں گرا پڑا ہے پھر ایک آدمی کو رسی کے ذریعہ نیچے اتارا گیا اور دوسری رسی اس کو دی گئی تاکہ اس کے سینہ میں بانٹھے۔ جب اسے باہر نکالا گیا تو قدرت الہی جل شانہ سے اسے ذرہ بھر کوئی چوٹ یا صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ اور وہ بالکل صحیح و سلامت اور ہوش کے ساتھ باہر آیا۔ سطح زمین سے کنوئیں کے پانی کی سطح تک ۲۵ فٹ گہرائی تھی اور پانی بھی بہت عمیق اور گہرا تھا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر حیران رہے کہ نہ تو پانی میں غرق ہوا اور نہ اس کے اعضا کو کوئی صدمہ پہنچا فقط اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔

جب اس سے کیفیت دریافت کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھے زیادہ کوئی خبر نہیں سوا اس کے کہ فقط باہر نکلے جانے کے وقت میں نے اپنے کو کنوئیں میں پایا۔ اور کنوئیں کا پانی گردن تک معلوم ہوا۔ اس حیرت افزا منظر سے سب حاضرین حیرت میں رہے۔

عجیبہ ششم حاجی عبدالصمد پشاورى افغان ۱۳۳۵ھ میں میرا ملازم اور خدمتگار تھا اور کئی سالوں سے درجہ کی بیماری میں مبتلا تھا۔ طلوع آفتاب سے لے کر دوپہر تک نیم بسبل مرغ کی طرح شدت دروسے تڑپتا تھا حکما رو وقت کے بہت سے علاج کئے۔ ایاراجت اور اطریقات (جو دماغی بیماریوں کے لئے مفید دوائیں ہیں) کو بھی استعمال کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا کبھی کہتا تھا کہ جن کا اثر ہے۔

ایک دن علاقہ صوہرہ نارہ ضلع تھلہ دارکھندہ کے سفر کے دوران میں اس کو میں نے کہا کہ قلاں اونٹ کو سواری کے اسباب سے سجا کر لا جو کسی طرف بھیجنا ہے۔ اس نے اونٹ کو بکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی۔ مگر اونٹ اپنی مستی اور موٹاپے کی وجہ سے بیٹھنا قبول نہیں کرتا۔ آخر قلاں

عبدالصمد اپنی افغانی شدت کے باعث بذور سے اونٹ کو لپٹا۔ تو اونٹ نے اپنے سر کو ایسی جنبش دی کہ وہ زمین پر آگر گرا۔ اور ساتھ ہی اونٹ نے عبدالصمد کے سر پر ایسی لاٹ ماری کہ وہ بہوش ہو گیا۔ اور اونٹ بھاگ گیا۔ ہم نے جب جا کر اسے اٹھایا تو اس کے ناک سے زرد رنگ کا پانی جاری ہوا۔ اس لئے اسے سرنگوں حالت میں رکھا گیا۔ اور تقریباً آدھے سیر سے زیادہ پانی نکلا۔ تو وہ ہوش میں آیا اور خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ دردمسکی بیماری سے بالکل خفا یا ب ہو گیا اور اس کے بعد تمام عمر کے لئے اس مرض سے اسے نجات مل گئی۔

عسیٰ ان تک ہوا شیئاً دھو خید لکم اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز تمہیں ناپسند ہوتی ہے دراصل وہ تمہارے لئے باعث خیر ہوتی ہے۔

عجیبہ ہفتم ۳۲۸ء میں برخور دار عبدالستار جان کی شادی خانہ آبادی کے لئے سفر قندھار کا اتفاق ہوا۔ انہیں دنوں میں شاہ کابل کی طرف مہربان قندھار کا حاکم اعلیٰ دگورن محمد عثمان خان نامی تھا۔ جو کاتب الحروف کا دوست تھا اور اس وقت نہر میرند کے کنارے سے نہر سراج کے نکلوانے پر مامور تھا۔ رعایا سے سات آٹھ ہزار مزدور کھدائی کے کام میں مصروف تھے۔

جب قندھار سے سندھ کی طرف واپسی کا ارادہ ہوا تو مصلحت وقت کی بنا پر بعض دوستوں نے مشورہ دیا۔ کہ حاکم مذکور کی ملاقات کے بغیر واپس جانا اچھا نہیں کیونکہ خود غرض لوگ اس کو بے توجہی پر محمول کر کے حاکم وقت کو مکدر خاطر کریں گے ممکن ہے کہ اس سے مقامی اعزہ و اقارب کو تکلیف پہنچائی جائے۔ آخر دوستوں کے مشورہ پر نہر سراج کی طرف روانگی ہوئی جو شہر قندھار سے مغربی طرف تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔

تین چار خادم اور دو تین عزیز حضرات رفیق ہوئے تیسرے دن دہر کو سنگ برد کے مقام پر پہنچے اور درختوں کے سایہ میں آرام کیا۔ اسی جگہ ایک قدیمی قبرستان ہے۔ وہاں معلوم ہوا کہ یہاں ایک مزار ولی اشک ہے قدیم الانام سے صاحب قبر اپنی قبر میں

سلامت پڑا ہے کئی صدیاں گزر گئیں۔ اس کے مبارک وجود کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لوگوں نے اسے بابا امانت مشہور کر رکھا ہے اس کی زیارت کا ارادہ ہوا۔ وہاں ایک وسیع اور کثرت قبرستان ہے۔ مجاوروں کے چند گھراؤں کو نے پر موجود ہیں۔ ایصالِ ثواب کی غرض سے فاتحہ پڑھی گئی۔

مجاوروں سے بابا امانت کے مزار کا پتہ پوچھا گیا۔ ایک مجاور نے سزاؤں کھلایا جو زیر زمین گویا ایک تنگ و تاریک چھوٹے سے حجرہ میں ہے۔ سطح زمین سے سات آٹھ ذینے نیچے ہے۔ سب رفیقوں نے کہا کہ ہم اس تنگ و تاریک حجرہ کے اندر نہیں جاتے یہاں سے ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ پڑھتے ہیں۔ مجھے اس کی عجیب کیفیت معلوم کرنے کا شوق ہوا۔ زمین کے اندر گیا۔ برخوردار عبدالستار جان جو رفیق سفر تھا وہ بھی میرے پیچھے اندر آیا۔ اس جھوکا طول شمال سے جنوب تک چھ سات گز شرعی اور عرض مشرق سے مغرب تک چار گز شرعی سے کم تھا جنوبی طرف سے قبریں داخل ہونے کا راستہ تھا نیچے پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کئی بھرے میں ایک شخص میت کی صورت میں پڑا ہے اور بھرے کے اوپر سبز کپڑے کا قبر پوش ہے قبر پوش آہستگی سے اٹھا کر دیکھا تو میت کا سر خلاف عادت جنوب کی طرف ہے اور پاؤں شمال کی طرف ہیں۔ تمام اعضاء سلامت ہیں۔ پوست بدن پر خشک ہو گیا ہے سر اور اڑھی کے بال نہیں تھے۔ بدن کی ہڈیاں بہت ضعیف معلوم ہوتی تھیں اگر کوئی ہاتھ لگائے تو ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں۔ خیر ایک ساعت بیٹھ کر فاتحہ دور و دودعا، مغفرت پڑھی اور باہر آئے مجاوروں سے صاحبِ قبر کے سر اور پاؤں کے خلاف عادت پھرنے کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ برابر پہلے سر شمال کی طرف تھا اور پاؤں جنوب کی طرف تھے۔ جس سال امیر عبدالرحمن خان والی کابل نے قوم ہزارہ کا ملک روزگان نامی فتح کیا جو تقریباً ۱۳۱۲ھ میں فتح ہوا، انہی دنوں میں ایک دن دیکھا گیا کہ میت کی لاش پھر گئی ہے سر جنوب کی طرف ہو گیا ہے اور پاؤں شمال کی طرف ہو گئے ہیں۔ کیونکہ قوم ہزارہ (جو غالی شیعہ ہیں) کا ملک شمال کی طرف تھا۔ گویا بابا امانت علیہ الرحمۃ نے شمال کی طرف پاؤں مکر کے شمال سے جنوب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیعہ مذہب

دلوں کو زیر پا کر کے حاکم وقت کے ذریعہ مقہور و مغلوب بنایا گیا ہے۔

ہیں اس بات پر حیرانگی ہوئی کہ لاش کی طوالت چار سو گز شرعی رہا تھا ہے اور حجرہ کا عرض چار گز شرعی رہا تھا سے کم ہے ایسی طویل لاش اس منگی میں شمال سے جنوب کی طرف کیسے ہو گئی حالانکہ بدن کی ہڈیاں ایسی ضعیف ہیں کہ تھوڑی سی حرکت سے جدا جدا ہو جائیں اور مجاہدین کی طاقت سے بعید ہے کہ وہ لاش کو شمال سے جنوب کی طرف پھیر سکیں ذلک تقدیر العزیز العظیم عجیبہ مشہقہ ۱۳۳۱ھ میں گری کے باعث کاتب الحروف کی سکونت کوئٹہ بلوچستان میں تھی ایک ہندوستانی سیلح مولوی صاحب جن کا نام اس وقت یاد نہیں رہا اور سابقہ تعداد کی وجہ سے میرے پاس پہنچا اور حزب البحر کے وظیفہ کی اجازت مجھ سے لے کر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہی وہ نسخہ جو حضرت والدہ ماجدہ قبلہ قدس سرہ بطریق توارث ملا تھا اس نسخہ کی نقل اجازت سمیت مولوی صاحب کو دی گئی وہ مولوی صاحب نے کہا کوئی ایسی جگہ بتائی جائے جہاں بنی آدم کا گز نہ ہوتا کہ بارہ دن وہاں رہ کر حزب البحر کی زکوٰۃ ادا کریں انہیں ایک جگہ پہاڑ کے کنارہ پر جو میرے مکان سے تین میل کے فاصلہ پر تھی بتائی گئی جہاں ایک پرانی کاریز تھی جس کے کنوؤں میں کچھ پانی بھی تھا اور ایک گھر بغیر سقف بھی تھا۔

مولوی صاحب کو بارہ دن کی رخصت منطاری کے لئے دوسرے چوکا آٹا پانی پینے کے لئے ایک بھٹی اور روٹی پکانے کے واسطے ایک آہنی تودا دیا گیا۔ مولوی صاحب وہاں جا کر حزب البحر کے پڑھنے میں مشغول ہوئے۔ وہاں رات و دن اکیلے رہتے تھے بارہ دن کے بعد واپس آئے اور کچھ لگے کہ پہیز کے ساتھ وظیفہ کی زکوٰۃ ادا کی گئی۔ مگر مقصود حاصل نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کر لیاں اور بارہ دن کا خرچ اپنے ساتھ لے جا کر وظیفہ پڑھوں۔ دوسری دفعہ فقط فیڑہ سیرجہ کا آٹا اپنے ساتھ لیا بڑی محنت اور تکلیف کے ساتھ اپنے مقصود میں مقررہ مدت کے بعد کامیاب ہو کر آئے اور کہنے لگے کہ اس دفعہ بڑے عجائبات دیکھے ہیں وجہ کا مفصل بیان اس رسالہ میں نہیں کیا جا سکتا مختصر طور پر قابل ذکر یہ ہے کہ وظیفہ پڑھتے وقت بہت سی ہیبتناک شکلیں ظاہر ہوتی تھیں اور مجھ پر

عجیبہ مشہقہ

حملہ کرنا چاہتی تھیں پھر نظر سے غائب ہو جاتی تھیں اور مجھے سخت ڈر ہوتا تھا ناگاہ ایک شخص نورانی شکل سفید لباس والا ظاہر ہوا اور مجھے کہا کہ حزب البحر کے پڑھنے میں ایک حرف غلط پڑتی ہو اس کو صحیح کر کے پڑھو تاکہ ان ڈراونی شکلوں کے نقصان سے محفوظ و سلامت رہو میں نے کہا وہ کون سا حرف ہے مجھے سکھا دیجئے خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اس نے کہا توفلہ یستطیعون المصنئی ولے جملہ میں مصنی کے آخری حرف کو مہیئی کے وزن پر پڑھو اے اچھے پڑھتا ہے اور یہ غلط ہے بلکہ اسے مصنی یا ئے مشدہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے بس اتنا کہ غائب ہو گیا اور میں نے بتائے ہوئے طریقہ پر پڑھنا شروع کیا چنانچہ ایک رات دو شخص بڑی جلالت شان اور نورانیت کے ساتھ ظاہر ہو کر میرے نزدیک آ بیٹھے میں نے ان سے دریافت کیا آپ کون حضرات ہیں ایک نے کہا میں حزب البحر کا مصنف ہوں اور جس نے تجھے صحیح پڑھنے کی تعلیم دی تھی وہ میں ہی ہوں دوسرے نے کہا کہ جس شخص نے تجھے اس وظیفہ پڑھنے کی اجازت دی ہے میں اس کے اجداد میں سے ہوں ہم دونوں تجھے تسلی اور اطمینان دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آداب بجالایا اور وہ نظر سے غائب ہو گئے پھر دوسرے دن یا دو تین دن کے بعد رکاتب الحروف کو یاد نہیں رہا کیا لفظ کہا تھا ایک شخص نے ظاہر ہو کر مجھے کہا تیرا مقصد کیا ہے؟ میں نے اپنا سارا حال عرض کیا کہنے لگا اٹھو اور میرے ساتھ چل بیٹھو اور اس خط و وظیفہ (لکیری وارہ سے جو حزب البحر کے پڑھتے وقت حفاظت کے لئے لکھی جاتی ہے) سے باہر اگر چند قدم اس کے پیچھے گیا اور میں نے اپنے آپ کو کسی دوسرے ملک میں پایا بہت ڈرا اور جلنے سے رہ گیا پھر وہ بزرگ کہنے لگا کہ کیا چاہتا ہے میں نے کہا مجھے واپس اسی جگہ پہنچا دو فرمایا افسوس تجھے استقامت نہیں ہے اب آنکھیں بند کر آنکھیں بند کیں تو اسی وقت حزب البحر ولے دائرہ میں اپنے کو پایا اور پھر اسے نہ دیکھا۔ پورے پریز کے ساتھ ذکوۃ حزب البحر ادا کرنے کے بعد اب آپ کی خدمت میں واپس آیا ہوں۔

مولوی صاحب نے دوسری بہت سی عجیب و غریب حکایات بیان کیں مگر چونکہ ہم کو اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں ہے اس لئے یہاں نہیں لکھ سکتا مولوی صاحب کچھ دن اور بھی میرے ہاں ٹھہرے۔ پھر اپنے وطن ہندوستان کا سیانی کے ساتھ مراجعت فرمائی۔

عجیب بیہم - ۱۳۲۰ھ میں آستان ہوی حرمین شریفین (نہادھما اللہ تعالیٰ تشیعہ و تعظیماً) کے لئے براہ بمبئی نیاز مند کے سفر کا اتفاق ہوا۔ وہاں قرنطین میں دو ہندوستانی حافظ القرآن رفیق سفر ہوئے (ان میں جو بڑھاتھا دوسرے نوجوان کا استاد تھا) وہ دونوں نہ فقط دریائی سفر میں ہمارے ساتھ رہے بلکہ قافلہ حجاز مقدس میں بھی ہ سفر تھے۔

اتفاقاً بڑے حافظ جی بعد فریضہ حج پیٹ میں شدید درد پیدا ہونے کے باعث بیمار ہو گئے روز بروز مرض بڑھتا گیا اور ان کی حالت بہت ضعیف ہو گئی۔ آخر زیارت پاک حضرت سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے لئے روانگی ہوئی تو انہوں نے اپنے کو کجاوہ کے ایک پلہ میں رکھوایا اور بفضلہ تعالیٰ سب اکٹھے مدینہ منورہ میں زیارت سے مشرف ہوئے مگر ان کی سکونت وہاں ہم سے جدا تھی چھوٹے حافظ جی روزانہ آکر بڑے حافظ جی کی شدت مرض کی اطلاع دیتے اور اس کی خدمت میں مشغول رہتے۔ اونٹ والوں نے آٹھ دن کی مہلت کے بعد واپسی کے لئے تیاری کا اعلان کیا اور وہ قضاہ مبرم کی طرح کسی کو ایک گھڑی کی مہلت بھی نہ دیتے۔

کجاوہ میں ہم نے اسباب سفر تیار کیا۔ تو چھوٹے حافظ جی آئے اور کہنے لگے کہ بڑے حافظ جی سکران کے عالم میں ہیں۔ اور قریب المرگ ہیں۔ اونٹ والے بددی مجھے ان کے انتقال تک نہیں چھوڑتے ہم نے کہا۔ ان کو اسی حالت میں یہاں لے آؤ۔ ممکن ہے کہ ان کی حالت کو دیکھ کر کچھ رحم کر کے ایک ساعت مہلت دیں۔ اس کے بعد جب ہم مقام مناخ میں پہنچے تو چھوٹے حافظ جی نے اگر اطلاع دی کہ بڑے حافظ جی کجاوہ سے تک پہنچتے ہی رحلت فرما گئے ہم سب سواری کی حالت میں پریشان اور حیران ہو کر بڑے حافظ جی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ فقوڑی روح

ان میں ملتی ہے جو دس بارہ منٹ تک ختم ہو جائے گی شتر بانوں نے ان کے اٹھانے سے انکار کیا اور ان کے لئے قافلہ کار دیکھا بھی اس وقت حال تھا۔ مجبوراً بڑے حافظ صاحب کے اوپر ایک سفید کپڑا ڈال کر اسی امید پر انہیں وہاں چھوڑا گیا کہ سرکاری ملازم ان کے دفن کا انتظام کروائے گا۔ اور چھوٹے حافظ جی اپنے اسباب سمیت ہمارے ساتھ قافلہ میں روانہ ہوئے۔ دس روز کے بعد ہم منبوع پہنچے پھر دریائی سفر کے ذریعے جدہ پہنچے۔ بمبئی جانے والے جہاز میں تین دن کی دیر تھی۔ چوتھے دن جب دریائی سفر کی تیاری ہوئی اور جہاز میں سواری کا بندوبست کرنے لگے دیکھا تو بڑے حافظ جی بالکل تندرست و توانا بڑے جوش و خروش کے ساتھ السلام علیکم کہتے ہوئے پہنچے اور چھوٹے حافظ جی کے ساتھ جھگڑنے لگے۔ ہم سب موجودیت رہ کر فکر کرنے لگے کہ ان سے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی حقیقت پوچھیں یا آپس میں ان کی مصالحت کی کوشش کریں۔ الغرض کچھ وقت تو ساری جماعت پر فاسفی اور حیرت کی حالت چھا گئی۔ اس کے بعد نرمی سے ان کی آپس میں صلح کرائی پھر ان سے ساری کیفیت پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ مجھے زیادہ خبر نہیں کہ مجھ پر کیا حالت گزری۔ اتنا معلوم ہوا کہ اوپر والا کپڑا سفید جو آپ لوگوں نے مجھ پر ڈالا تھا کسی نے زور سے آکر کھینچا اور میں ہوش میں آیا دیکھا تو نہ کوئی رفیق ہے اور نہ قافلہ کا پتہ ہے کمال ناامیدی کی حالت میں قلبی خلوص اور دلی توجہ کے ساتھ بحضور اقدس حضرت رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم متوجہ ہو کر کہا۔ فرمایا درس یا مصطفیٰ!

بیس اسی وقت میں نے اپنے بدن میں طاقت معلوم کی اور کروٹ بدلی پھر اور زیادہ طاقت معلوم ہوئی تو اٹھا اور مسجد منورہ میں حرم محترم کی طرف پایا۔ روانہ ہوا دربار اقدس میں حاضر ہوا۔ تو مجھے ایسا معلوم ہونے لگا کہ میرے بدن میں کوئی بیماری نہیں ہے رات وہاں گزاری۔ دوسرے دن ان باقی ماندہ حاجیوں کے پاس گیا۔ جن کے پاس اونٹ تھے۔ انہوں نے خوشی سے مجھے سوار کیا اور منبوع پہنچایا۔ دوسرے دن جہاز ملا سوار ہو کر ابھی آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ اس واقعہ کو حضرت رسول اکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا خاص

معجزہ سمجھ کر شوق سے ہم سب الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہؐ کہتے ہوئے
محو حیرت رہے :-

یا حبیب اللہ خذ بیدی ما لعجزی سوال مستند
لصحب العزت کے حبیب یری دخلی فرما عجزی میں آپ کے سوا میرا کون سہارا ہے ۔

کن رحیم الدلتی واشفع یا شفیع الوری الی الصمد
خدا بے نیاز کی درگاہ میں ہر بانی فرما کر یری لغزش کی سفارش فرما ۔

اعتصامی سوا جنابک لی ۔ لیس یا سیدی الی الاحد
اے میرے سوا! آپ کی درگاہ کے سوا میری کوئی جائے پناہ نہیں ہے ۔

غیر عرواک لیس فی الدلین لذلایل علیل معتمد
دونوں جہانوں میں مجھ جیسے حقیر و ناتوان کے لئے آپ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں

صلواتی علیک فی السورین کان متجاوزا عن الحد
میری طرف سے دونوں جہانوں میں آپ پر بے حساب دُکود و سلام ہو ۔

وعلی الصحابة الذین ہم کانوا لخیال السداد کالوتد
اور صحابہ کرام پر جو خیمہ خربوت کے رکن ہیں ۔

قل ذلیلا اذا مال بلا یا حبیب اللہ خذ بیدی
اے غالب جب تجھے مصیبت پیش آئے تو نہایت عجز کے ساتھ کہہ کرے حبیب العزت یری دخلی فرما

عجیب یہ دھم دلائے اللہ میں فقیر کا رب الحروف کی سکونت عیال سمیت کوٹھ
میں یعنی ۔ انہی ایام میں ایک شخص ایک پتھر میرے پاس لایا جس کا وزن تقریباً دو سیر ہندی تھا ۔
اس نے کہا کہ بلوچستان کے پہاڑوں سے یہ بلا ہے چونکہ عجیب بیٹ کا پتھر ہے اس لئے
تحفہ کے طور پر خدمت میں لایا ہوں ۔

جب پتھر کو غور سے دیکھا تو قدرت الہی جل شانہ سے گہیوں کے سب اقسام سن میں

صالح

نظر آئے گویا صد ہا قسموں کے گیسوں کے دانے اور دیگر جنسیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ بعض چھوٹے دانے بعض بڑے بعض گول بعض درمیانہ بعض لمبے اور کئی جگہ گیسوں کے خوشے دانوں سمیت اس میں نظر آتے تھے حضرت قدیر جل سلطان کی قدرت کاملہ کا عجیب منظر تھا۔ اس پتھر کا ایک کونہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس لئے اندر سے بھی دانے نظر آتے تھے۔ پتھر فانی رنگ کا تھا اور دانے سفید گندم گوں اس میں چھپے ہوئے معلوم ہوتے تھے اگر بالکل غور سے پتھر کو دیکھا جائے تو غلہ جات کی دوسری قسمیں (جوار، جو، بابرہ، لوبیا و ماش وغیرہ) بھی نظر آتے ہیں۔ تو معلوم تحریر وہ پتھر میرے غریب خانہ میں موجود ہے خدا تعالیٰ بہتہ جانتا ہے کہ مختلف قسم کے غلے خدا تعالیٰ کی قدرت سے اس میں کیوں چھپے ہوئے ہیں اور اس میں کیا راز ہے؟ ذلک تقدیر العزیز العظیم۔

عجیبہ یازدھم ۱۵۳۵ھ ذیقعدہ تاریخ دوم روز جمعہ جب حضرت والد ماجد قبلہ گاہ قدس سرہ کا انتقال ہوا۔ تو صبح سے لے کر ظہر تک ایک غیر معمولی غبار پیدا ہوا جس میں گرد خاک یا ماد مبارک کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور بلا تکلف سورج کی طرف دیکھا جاسکتا تھا اور آفتاب چاند جیسا سفید معلوم ہوتا تھا۔ اس غبار میں سورج نکلنے کے وقت سفید رنگ مائل بغیرت دراز گردن کے پرندے بہت نمودار ہوئے جن کی شکل بانی کے پرندوں سے ملتی جلتی تھی حضرت والد قبلہ گاہ قدس سرہ کے مکان کے ارد گرد درود دیوار پر اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ ہر ایک شخص تعجب سے ان کی طرف دیکھتا تھا کہ اس نامعلوم شکل کے پرندے اتنی بڑی کثرت کے ساتھ کہاں سے آئے اور کس غرض کے لئے ایک مخصوص مکان کے ارد گرد درود دیوار پر جمع ہونا اور اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا ہے۔

آخر کار ایک پہر گزرا اور حضرت والد ماجد قبلہ گاہ قدس سرہ کا جنازہ مسجد کی طرف اٹھایا گیا۔ تو یہ پرندے بیٹھے تھے۔ جب جنازہ باہر نکلا گیا تو سب پرندے اڑ کر چلے گئے اور معلوم نہ ہو سکا کہ کدھر سے آئے اور کدھر گئے عجیب ترین بات یہ تھی کہ اس وقت لوگوں کا بڑا ہجوم اڑ سوختہ دلوں کا شور و فغان بھی بہت تھا مگر یہ پرندے اپنے خیال کے مطابق حویلی کے درود دیوار

اٹھتے بیٹھتے تھے لوگوں کے جرم و کثرت کا باطل خیال بھی نہ کرتے تھے۔ یہ ناشائستہ حاضرین نے دیکھا پھر جس کو یاد پایا اور یاد رہا اور جس کو بھول گیا بھول گیا۔ یہ قصہ کتاب انیس المہینہ میں درج حضرت والد قبلہ کا علیہ الرحمۃ کے سوانح حیات و ملفوظات میں نیاز شد کی تالیف ہے (مفصل مذکور ہے۔)

عجیب و نادر دم و بار صواۓ ۳۲ء میں ایک دن موسم سرما کے اوائل میں آسمان میں بادل اور عدد نمودار ہوئے۔ اور ان میں ایک لمبی اور بہت ناک آواز جو عدد سے مختلف تھی سنتے ہیں آئی جس سے ہر ایک شخص حیرت میں رہ گیا کہ یہ کیا آواز ہے؟ چار پانچ دن کے بعد معلوم ہوا کہ سنڈری تعلقہ سانگھڑ ضلع پتھر پار کر سندھ میں بجلی گری ہے اور آسمان سے ایک ثقیل وزن دار پتھر توپ کے گولے کی طرح گرا ہے اور زمین کو چیرتا ہوا بہت نیچے گیا ہے اور اس تحصیل کے تحصیلدار نے بڑے بڑے زمینداروں کو اکٹھا کر کے پتھر کو نکلوایا ہے اس پتھر کے گرنے وقت اس کے چند ٹکڑے جو اس کے اندر گدگدے تھے۔ وہ بھی زمین کے اندر چلے گئے۔ ان ایام میں وہاں کا ڈپٹی کلکٹر سردار یعقوب خان بھاج کا کاتب الحروف کے ساتھ تعارف تھا۔ اتفاقاً اس واقعہ کے فوراً بعد حیدر آباد سندھ میں اس کی ملاقات مجھ سے ہوئی دوران گفتگو میں اس واقعہ کا ذکر آیا۔ تو موصوف نے بتایا کہ اس پتھر کا ایک ٹکڑا اُسے بھی دستیاب ہوا ہے چنانچہ اس نے ملازم سے کہہ کر وہ ٹکڑا منگایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایسی چیز ہے کہ جس کو نہ پتھر کہہ سکتے ہیں نہ لوہا۔ گرانی میں تو لوہے سے بھی زیادہ ثقیل اور خستہ الحید جیسا کالا رنگ ہے اور اگر طاقت سے اسے کھرچا جائے تو اس کے باریک اجزا اس سے جدا ہوتے تھے۔ وہ ٹکڑا نمونہ کے لئے مجھے دیا گیا اس کی شکل عجیب رنگ کی تھی کچھ وقت دیر سے پاس رہا۔ مدت کے بعد بے توجہی کے باعث گم ہو گیا۔ زمانہ کے عقلمند اس کی حقیقت معلوم کرنے میں حیران تھے بعض گمراہ فلسفیوں کا خیال تھا کہ زمین کے بخارات کرہ زہریلیں جسم کر پتھر بن گئے ہیں یا ان کے ٹکڑے زمین کی مقناطیسی کشش نے اسے اپنے مرکز کی طرف کھینچا ہے۔

اولیٰ شریعت کہتے تھے کہ شباب کا نکلنا فرشتوں نے شیالین کو مارنے کے لئے بھیجا ہے جو زمین کو چیرنا بڑا اندھا کیا ہے۔ اور اس حقیقت کا بہترین علم حضرت خلاق عالم جل شانہ کو ہے۔

عجیبہ سیر و ہم (تیرھواں) لکھ ۱۲۰ میں ایک پٹھان سیاحت کے طور پر بنیا کہ بندگان خدا گداگری کے بہانے سے پھر کرتے ہیں، منڈہ سائیناویں میرے پاس آیا! اس کو پیدا لشی طور پر کان بالکل نہ تھے اور کانوں کی جگہ نصف (چنے) باقل کی مقدار پر گوشت ابھرا ہوا تھا۔ اور کانوں کے سوراخ بالکل نہ تھے۔ اور اس حالت پر بھی لوگوں کی باتیں بلا تکلف سنتا تھا اور افغانی زبان بلا تکلف بولتا تھا۔ اس نے اپنا نام و تپہ و وطن وغیرہ سب احوال بیان کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے کان تو خلق بنا بند ہیں پھر ماری باتیں کیسے سنتا ہے کہنے لگا کہ آنکھوں سے سنتا ہوں۔ حالانکہ فلسفی حکما کان اور آنکھ کے درمیان کوئی راہ نہیں بتاتے۔

تقدیر العزیز العظیم۔

تمام شد